قرآن کے فہم و تدبر اور فنِ تفسیر کے اصول و قواعد پر مشتمل
جامع و مختصر رسالہ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

تالیف
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
(وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

ترجمہ از فارسی
مولانا یٰسٓ اختر مصباحی
بانی و صدر دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی
بانی رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

باہتمام
مجلسِ برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کے فہم و تدبّر اور فنِ تفسیر کے اصول و قواعد پر مشتمل

جامع و مختصر رسالہ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

﴿ تالیف ﴾

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی

(وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

﴿ ترجمہ از فارسی ﴾

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی

بانی و صدر دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

بانی مرکز المجمع الاسلامی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

باہتمام

مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ضلع اعظم گڑھ، یوپی

۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

سلسلۂ اشاعت نمبر ۷۶

نام کتاب : اَلْفَوْزُ الْکَبِیْرُ فِی اُصُولِ التَّفْسِیْر

تالیف : حضرت شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی

(وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

ترجمہ از فارسی : مولانا یٰسٓ اختر مصباحی

طبع اوّل : ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

صفحات : ۱۱۲

کمپوزنگ : محمد وسیم مصباحی - دارالقلم، دہلی

محمد ناصر حسین مصباحی، حافظ ملت کمپوٹر سینٹر اشرفیہ مبارک پور

تعداد : ایک ہزار قیمت :

مطبع :

زیر اہتمام : مجلس برکات - الجامعۃ الاشرفیہ - مبارک پور

ملنے کے پتے:

۱- مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ-یوپی-پن کوڈ: 276404

۲- مجلس برکات، ۱۴۹ گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ بازار، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی 110006

1. MAJLIS-E-BARAKAAT, AL-JAMIATULASHRAFIA, MUBARAKPUR, AZAMGAR, U.P. PIN: 276404

2. MAJLIS-E-BARAKAAT, 149,GROUND FLOOR, KATRA GOKULSHAH MARKET, MATIYA MAHAL JAMA MASJID DELHI PIN 110006

تہدیہ بخدمت

مشاہیر علما و مشائخ اہلِ سنت

(۱) حضرت مولانا عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی	وصال	۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء
(۲) حضرت شاہ عبد العزیز مُحدِّث دہلوی	//	۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء
(۳) حضرت شاہ غلام علی نقش بندی دہلوی	//	۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء
(۴) حضرت مولانا منور الدین دہلوی	//	۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء
(۵) حضرت مولانا فضلِ حق خیرآبادی	//	۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء
(۶) حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی	//	۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء
(۷) حضرت مولانا فضلِ رسول عثمانی بدایونی	//	۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء
(۸) حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی	//	۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء
(۹) حضرت مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی	//	۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء
(۱۰) حضرت مولانا رحمت اللہ عثمانی کیرانوی	//	۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء
(۱۱) حضرت مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری	//	۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
(۱۲) حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی	//	۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء
(۱۳) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی، چشتی صابری	//	۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء
(۱۴) حضرت مولانا عبد السمیع بیدلؔ سہارن پوری	//	۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
(۱۵) حضرت مولانا عبد القادر برکاتی بدایونی	//	۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء
(۱۶) حضرت مولانا احمد حسن کان پوری	//	۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
(۱۷) حضرت خواجہ سید عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی	//	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
(۱۸) حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی	//	۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
(۱۹) حضرت مولانا ھدایت اللہ جون پوری	//	۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
(۲۰) حضرت مولانا غلام قادر بھیروی لاہوری	//	۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء
(۲۱) حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی	//	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء
(۲۲) حضرت مولانا الشاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی	//	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
(۲۳) حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی	//	۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
(۲۴) حضرت سید مہر علی شاہ چشتی گولڑوی	//	۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
(۲۵) حضرت سید جماعت علی شاہ مُحدِّث علی پوری	//	۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

رحمۃُ اللہ تعالی علیہم أجمعین

انتساب بنام

الجامعۃ الاشرفیہ - مبارک پور

جو شیرازِ ہند میں

سلطان التارکین حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی کے فیضانِ نسبت کا

شاہ کار

مشائخ کچھوچھہ مقدسہ و سادات مارہرہ مطہرہ و علمائے بریلی شریف کی دعا و سرپرستی کا

حامل و امین و مظہر کامل

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا الشاہ المفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی، مؤلف "بہارِ شریعت" کی بصیرت و مستقبل شناسی کا

حُسنِ انتخاب

جلالۃ العلم حافظ ملت ابو الفیض مولانا الشاہ حافظ عبد العزیز مرادآبادی، مُحدِّث مبارک پوری کے اِخلاص و ایثار کا

باغِ فردوس

مسلمانانِ برِ صغیر ہند و پاک و سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کا

دینی و علمی رہنما

عالَمِ اسلام کے مدارس و جامعات کے درمیان اپنے وسیع دائرۂ علم و فن اور کثیر شعبۂ فکر و عمل پر مشتمل

گلستانِ سدا بہار

ایشیا کے مختلف ممالک کے ساتھ یورپ، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا میں پھیلے ہوئے اپنے بے شمار اہلِ فضل و کمال علما و فقہا، اساتذہ و خطبا، دعاۃ و مبلغین، محققین و مصنفین اور مؤلفین کی عظمت و افادیت اور اپنی ممتاز و نمایاں کارکردگی و سرگرمی کے آئینے میں درخشاں حقیقت و حیثیت کے ساتھ عصرِ حاضر کا ایک فردوس بداماں شہرستانِ دین و دانش، دبستانِ فکر و بصیرت، اور خیابانِ اہلِ سُخن ہے

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فصلِ حق، گلشنِ حافظ پہ عنایت گستر
فیضِ فیاض سے یوں ہر سمت خلاّقی ہے

فہرستِ کتاب

عناوین	صفحات
شاہ ولی اللہ! احوال و آثار	۶—۲۳
مقدمۃ الکتاب	۲۴
بابِ اول (ص ۲۶ - تا - ص ۴۵)	
علوم خمسہ کا بیان اور قرآنی اسلوب و اسبابِ نزول	
فصلِ اول	
مُشرکین اور ملّتِ ابراہیمی	۲۷—۲۸
مُشرکین کی گمراہیاں	۲۸—۳۰
جوابِ شافی وایضاحِ حق	۳۰—۳۲
اِعادہ وتکرارِ مضامین کی حکمت	۳۲
تذکرۂ یہود	۳۲
توریت میں لفظی ومعنوی تحریفات	۳۳—۳۴
کِتمانِ آیاتِ توریت	۳۴—۳۵
اِفتراءات ومزعوماتِ یہود	۳۵
رسالتِ محمدی کا اِنکار	۳۵
تذکرۂ نصاریٰ	۳۷—۳۹
تذکرۂ منافقین	۳۹—۴۰
فصلِ ثانی	
علومِ خمسہ کے باقی مباحث	۴۰—۴۳
تذکیر بالموت ومابعد الموت	۴۳
بیانِ علمِ احکام	۴۴—۴۵
بابِ ثانی (ص ۴۵ تا ۷۸)	
معانیٔ نظمِ قرآن کے وجوہِ خفا	۴۵—۴۶
فصلِ اول شرحِ غریب القرآن	۴۷
فصلِ ثانی معرفتِ ناسخ ومنسوخ	۴۸—۵۵
فصلِ ثالث معرفتِ اسبابِ نزول	۵۶—۶۱
فصلِ رابع	
حذف وابدال، تقدیم وتاخیر تشابہ وتعریض	
اِستعارہ ومجاز	۶۱—۶۷
فصلِ خامس	
محکم ومتشابہ، کنایہ وتعریض	۶۷—۷۸
مجازِ عقلی	۷۸
بابِ ثالث (ص ۷۹ تا ص ۱۰۱)	
فصلِ اول اسلوبِ ترتیبِ قرآن	۷۹—۸۱
فصلِ ثانی اسلوبِ بلاغتِ قرآن	۸۲—۸۹
بابِ رابع (ص ۹۰ تا ص ۱۰۱)	
فنونِ تفسیر اور تفسیراتِ صحابہ وتابعین	۹۰—۹۱
فصلِ اول	
محدثین کی کتبِ تفسیر اور ان کی روایات	۹۱—۹۵
فصلِ ثانی لطائف ومعارف	۹۵—۹۸
فصلِ ثالث وضاحتِ غرائبِ قرآن	۹۸—۹۹
فصلِ رابع علومِ وہبی	۹۹—۱۰۰
مقدمۂ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن	۱۰۱—۱۰۶
سندِ تلاوت وتفسیرِ قرآن حکیم	۱۰۷—۱۰۸

حضرت شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی

(مختصر دینی و علمی اَحوال و آثار)

خلیفۃُ المسلمین سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ عنہ کی نسل سے ایک نامور فرزند شیر ملک بن عطا ملک کے آباواَجدَاد، ایران کی کسی چھوٹی سی ریاست کے والی وحاکم تھے۔ گردشِ زمانہ سے اس ریاست پر جب زوال آیا تو اس فاروقی خانوادہ کی ساری توجہ علم وفضل کی طرف مرکوز ہوگئی۔ ایک مدت کے بعد جب اس خطّے کے حالات مزید دِگرگوں ہوئے تو اس نے ہندوستان کا رُخ کیا۔

شیر ملک کے دو صاحبزادگان جنھوں نے ہندوستان کو اپنے وجود سے رونق بخشی، ان کے نام ہیں: بہاءُ الدین اور شمس الدین۔

بہاءُ الدین فاروقی قُبّۃُ الاسلام بدایوں کے مفتی ہوئے جن کی نسل میں مقتدر عالم قاضی عمادُ الدین بدایونی پیدا ہوئے۔ قاضی عمادُ الدین بدایونی، ہرگام، اَوَدھ (موجودہ ضلع سیتاپور۔ یوپی) کے قاضی ہوکر وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے۔ اس نسل کے قاضی محمد ارشد ہرگامی، خیرآباد، اَوَدھ (موجودہ ضلع سیتاپور۔ یوپی) آکر متوطن ہوئے۔ یہی مولانا قاضی ارشد ہرگامی، علامہ فضلِ امام فاروقی خیرآبادی (وصال ۱۲۴۴ھ۔ ۲۹۔ ۱۸۲۸ء) کے والدِ ماجد ہیں۔ اور علامہ فضلِ امام کے نامور فرزند ہیں امامُ الحکمۃ والکلام علامہ فضلِ حق فاروقی خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ۔ ۱۸۶۱ء)۔ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ۔

شمس الدین فاروقی نے دہلی سے قریب تیس میل کی دوری پر واقع بجانبِ غرب شہر ''رُہتک'' (پنجاب۔ موجودہ صوبہ ہریانہ) کو زینت بخشی اور رُہتک کے مفتی مقرر ہوئے۔ اس فاروقی شاخ کے گلِ سرسبد ہیں مُسند الوقت امامُ الہند شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی (وصال ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ ۲۰ راگست ۱۷۶۲ء بروز ہفتہ بعمر باسٹھ سال در دہلی) بن شاہ عبدالرحیم محدِّث دہلوی (وصال ۱۱۳۱ھ۔ ۱۷۱۹ء) بن شیخ وجیہُ الدین شہید۔ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ۔

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی (ولادت ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء۔ وصال ۱۲ رصفر ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) کے ذریعہ خصوصیت کے ساتھ اس خاندان میں علم وفضل سے دل چسپی اور اِنہماک میں اضافہ ہوا۔ شاہ عبدالرحیم کا بچپن آگرہ میں گذرا جہاں آپ کے والد شیخ وجیہُ الدین شہید ملازمت کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے۔ اپنے والد سے ہی آپ نے قرآنِ حکیم اور صَرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے برادرِ بزرگ حضرت شاہ ابو الرضا محمد اور مرزا زاہد ہَروی فرزندِ قاضی اسلم ہَروی سے مُنتہی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خُرد فرزندِ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی سے حاشیۂ خیالی وغیرہ کا درس لیا اور مختلف علوم وفنون میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ گیارہ سال کی عمر میں حدیث وفقہ کی متعدد کتابیں پڑھیں اور پھر علومِ قرآن وحدیث وفقہ میں آپ کو دَرک وکمال حاصل ہوگیا۔

علم وفضل، تدیُّن وتقویٰ، بصیرت واستقامت جیسی اعلیٰ صفات سے حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی

مزین و آراستہ اور حبِّ جاہ و مال سے بے نیاز تھے۔ اشاعتِ علمِ دین اور درس و تدریس کے لئے آپ نے دہلی کے چتمۂ شیخ زور (موجودہ مہندیان، نئی دہلی) میں ایک مدرسہ قائم فرمایا جو مدرسہ شاہ عبدالرحیم، پھر مدرسہ اور آخر میں مدرسہ رحیمیہ (دہلی) کے نام سے مشہور ہوا۔

گیارہویں صدی ہجری کے رُبعِ آخر میں بعہد عالم گیر، شاہ عبدالرحیم دہلوی نے یہ مدرسہ محلّہ مہندیان میں قائم کیا جس میں اپنے والدِ ماجد کے بعد شاہ ولی اللہ درس دیا کرتے تھے۔ مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللّٰہی (شاہ رفیع الدین دہلوی کے نواسے کے پوتے) لکھتے ہیں:

''بعدہٗ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبانِ ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتبِ دینیہ وعقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے اور سیکڑوں طالبِ علم مستفیض ہونے لگے''۔ (ص ۸۸۔ خاتمۂ تاویل الاحادیث، مطبع احمدی دہلی)

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے سفرِ حج ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء کے بعد) واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اِقامت کی۔ مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شاہ عبدالرحیم ڈال گئے تھے، رونق دی۔ حدیث وتفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطرافِ ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی۔ طالب علموں کے پَرے کے پَرے آنے شروع ہوئے۔ پرانی دلی دارُالحدیث بن گئی۔

حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کی درس گاہ اس وقت علومِ حدیث وتفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھی''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

حضرت والد ماجد از ہرفن شخصے تیار کردہ بودند۔ طالبِ ہرفن بادے می سپردند۔'' خاتمۂ تکمیل ہندی۔ از مولوی سید احمد۔ مطبع احمدی، دہلی)

بعد میں یہ مدرسہ کلاں محل شاہجہان آباد میں منتقل ہوگیا۔ روشن اختر محمد شاہ بادشاہ نے شاہ ولی اللہ دہلوی کو یہاں ایک عالی شان مکان رہنے کے لئے دیا۔ (۸۸۔ خاتمۂ تاویل الاحادیث)

شاہ عبدالرحیم کو حضرت سید عبداللہ اکبرآبادی خلیفۂ حضرت سید آدم بنوری خلیفۂ مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی سے بیعت وارادت واجازت وخلافت حاصل تھی۔ اسی طرح سلسلۂ قادریہ کے بزرگ حضرت سید ابوالقاسم اکبرآبادی اور سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ حضرت سید عظمت اللہ اکبرآبادی کا خصوصی فیضان بھی آپ کو حاصل ہوا۔ ہندوستان کے چاروں معروف سَلاسِلِ طریقت (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) کی اجازت وخلافت سے آپ سرفراز تھے۔ حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی کو چاروں سلاسل کی اجازت تھی جن کے فرزند مجددالفِ ثانی کے ذریعہ حضرت شیخ آدم بنوری اور ان کے ذریعہ سید عبداللہ اکبرآبادی کو ان سب کا فیض پہنچا جو آپ کے اولین مرشدِ طریقت تھے۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ۔

اَنفاسُ العارفین (مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) میں شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی کے بہت سے اَحوال وواقعات درج ہیں جن کا مطالعہ کرکے شاہ عبدالرحیم دہلوی کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی

ہیں۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے بچپن کا ایک واقعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہ (اکبرآبادی) سنایا کرتے تھے کہ: جب تم (عبدالرحیم) بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے تو ہم اپنے دل میں تمھارے لئے کشش محسوس کرتے تھے اور دُعا کیا کرتے تھے کہ: بارِ اِلٰہا ! اس بچے کو زُمرہ اولیا میں شریک کر اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اَلحمدُلِلّٰہ کہ میری دعاؤں کا اثر ظہور پذیر ہوا۔

(ص ۵۱۔ انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ترجمہ از سید محمد فاروق القادری۔ مکتبہ الفلاح دیوبند، سہارنپور۔ یوپی)

''والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ: طالب نامی ایک درویش حضرت سید عبداللہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔

حضرت سید عبداللہ نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا تو میری طرف اشارہ کرکے اس نے کہا کہ: یہ عزیز حصولِ علم میں مشغول رہتا ہے۔ اور میں فارغ البال اور یک سُو ہوں مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عُقدے اور مخفی اَسرار آشکار ہوتے جا رہے ہیں۔

(سید عبداللہ اکبرآبادی) فرمانے لگے: اس فکر و اندیشے میں مَت پڑو۔ یہ عطائے الٰہی ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت تفویض ہوئی ہے۔ الخ (ص ۵۶۔ انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

''واضح ہو کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم دہلوی) طریقۂ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی شاخ کو اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہ تھی۔ آپ کی تمام تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت اسی شعبے کے ذریعہ تکمیل کو پہنچی ہے۔

(ص ۶۴۔ انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی ایک عظیم محدث تھے جنھوں نے اپنے دور میں دہلی کے اندر درسِ حدیث کا اِہتمام کیا اور اپنے طلبہ کے اندر طلبِ علمِ حدیث کا ذوق وشوق پیدا کیا جس کا ایک شاہکار خود آپ کے فرزندِ گرامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔

اسی طرح آپ ایک فقیہ بھی تھے اور فقہِ اسلامی پر آپ کی گہری نظر تھی۔ بنیادی طور پر فقہِ حنفی کے مقلد تھے مگر دیگر مذاہب ثلثہ (شافعی، حنبلی، مالکی مذہب فقہ) کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ آپ کے تفقُّہ کے پیش نظر ہی سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے الفتاویٰ الھندیۃ (فتاویٰ عالمگیری) کے مُرتّبین کی مجلسِ فُقہا کا آپ کو بھی ایک اہم رکن بنایا اور آپ نے نہایت مہارت وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ آپ کے ایک علمی واقعہ کا ذکر اَنفاس العارفین میں اس طرح ہے:

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ: ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مفوّضہ حصے پر نظرِ ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر نظر پڑی جس میں صورتِ مسئلہ کو گڈمڈ کرکے گنجلک بنا دیا گیا تھا۔

میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا مآخذ تھیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔

مؤلفِ فتاویٰ عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یک جا کر دیا ہے جس کی وجہ سے صورتِ مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے اس مقام پر ایک نوٹ میں لکھا: مَن لَمْ يَتفقّه في الدِّين قد خلَطَ فيه۔هذا غلطٌ وصَوابُهٗ كذا۔ یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے یہاں خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے۔

اُن دنوں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں حد سے زیادہ اہتمام تھا اور مُلّا نظام روزانہ ایک دو صفحات پڑھ کر بادشاہ کو سنایا کرتے تھے۔ جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو اتفاقاً نوٹ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی سانس میں مُلّا نظام نے پڑھ ڈالا۔

بادشاہ چونک اٹھا اور اس نے کہا: یہ عبارت کیسی ہے؟

ملّا نظام نے اس نشست میں دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا: اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے۔کل تفصیل سے عرض کروں گا۔

جب گھر لوٹے تو ملّا حامد پر بگڑے کہ فتاویٰ کا یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑ رکھا تھا۔تم نے مجھے بادشاہ کے سامنے شرمندہ کیا۔فرمایئے؟ یہ کیسا ہے؟

مُلّا حامد اس وقت کچھ نہ بولے۔ بعد میں مجھ سے اظہارِ ملال کیا۔

میں نے اس موقع پر وہ کتابیں جو اس مسئلے کا ماٰخذ تھیں، انہیں پیش کر دیا۔اور ان پر مسئلہ کا ابہام اور عبارت کا گنجلک پن اس انداز سے واضح کیا کہ سب کی آنکھیں کھُل گئیں۔الخ

(ص ۴۷-۷۵۔انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، حضرت محی الدین ابن عربی اور آپ کی فتوحاتِ مکّیہ کے بڑے معترف ومداح تھے اور فصُوص الحِکَم از ابن عربی کا درس بھی دیا کرتے تھے۔چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت والد ماجد، شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

اگر میں چاہوں تو فُصُوصُ الحِکَم کو بر سرِ منبر بیان کرکے اس کے تمام مسائل کے اِثبات کے لئے آیات واحادیث سے دلائل پیش کر دوں۔اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا کوئی شک باقی نہ رہے۔

مگر اس کے باوجود آپ وحدۃُ الوجود کے کھُلم کھُلا بیان سے اِحتراز فرماتے تھے۔کیوں کہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔اور نا سمجھی کی بنا پر اِلحاد اور زِندقہ کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔

اس احتیاط کے باوجود آپ کی تقریروں میں وحدۃُ الوجود کا رنگ جھلکتا تھا۔اور اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) کو رسائلِ وحدۃُ الوجود کے مطالعہ کی اکثر ترغیب دیا کرتے تھے۔الخ

(ص ۱۸۱ و ۱۸۲۔انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

اپنے والد ماجد کے بعض اوصاف وفضائل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

''حضرت والا، شجاعت وفراست وقناعت اور غیرت وحمیّت جیسے اخلاقِ حسنہ سے پورے طور پر بہرہ ور تھے۔اور اُمورِ آخرت کی سمجھ بوجھ کے ساتھ اس دنیا کے معاشی واقتصادی امور پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ہر کام میں میانہ روی پسند فرماتے تھے۔نہ اس قدر امورِ دنیا سے غافل اور زُہد میں مستغرق کہ عبادت کو رھبانیت سے ملا

دیں اور نہ اس قدر آدابِ عبادت وقیودِ مذہب سے بیگانہ کہ مستی میں شمار ہو۔

آپ کے لباس اور وضع قطع سے ہمیشہ سادگی و بے تکلفی ظاہر ہوتی تھی۔ موٹا جھوٹا اور نرم و گداز جیسے بھی میسر آتا، پہن لیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ حق سبحٰنہٗ وتعالیٰ نے بغیر طلب کیے ہوئے انھیں اعلیٰ لباس عطا فرمایا۔ الخ (ص ۱۸۸۔ انفاس العارفین)

''حضرت والد ماجد اُمرا کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر رکھا تھا۔ اگر یہ لوگ زیارت کے لئے آتے تو آپ ان کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آتے تھے اور سردارانِ قوم کو خاص اِعزاز و اِکرام سے نوازتے تھے۔ اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض انجام دیتے تھے۔

(ص ۱۸۸۔ انفاس العارفین)

''ہر حال میں آثارِ نبوی کی پیروی آپ کی زندگی کا مشن تھا۔ آپ کی مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ سوائے عذرِ شرعی کے اپنی پوری زندگی میں نماز با جماعت کبھی ترک نہیں کی۔

بزرگوں کا قول ہے: الاستقامۃُ فوقَ الکرامۃ (سنتِ نبوی پر استقامت کرامت سے بہتر ہے)۔ آپ نے اپنے بچپن اور شباب بلکہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی غیر شرعی امور کی طرف رغبت نہیں کی۔ گویا طریقِ محمدی کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔ الخ (ص ۱۸۹۔ اَنفاس العارفین)

''آپ کو ہر علم کا وافر حصہ حاصل تھا۔ کسی بھی فن کو چھوڑنے کے لئے آپ کی طبع رَسا راضی نہیں ہوتی تھی۔ فنِ طب میں آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافلِ تہجد بلا قیدِ رکعات، نشاط و رغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے تھے، اتنی پڑھتے تھے۔ اِشراق اور چاشت کے علاوہ نمازِ مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی اَرواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے۔ اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ آپ قرآن مجید قواعدِ تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی سے پڑھتے تھے۔

روزانہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ اکثر و بیشتر احباب و متعلقین کے درمیان ترجمہ وتفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار مرتبہ درود پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذکرِ نفی و اثبات کبھی نمازِ فجر سے پہلے جہراً اور کبھی ذکرِ خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسمِ ذات ہمیشہ بلاناغہ پڑھتے تھے۔ (ص ۱۹۰۔ انفاس العارفین)

''اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) نے آپ (شاہ عبدالرحیم دہلوی) کی زبان سے بار ہا سنا کہ:

ہم نے جو کچھ پایا ہے، درود شریف اور مجرّد توجہ کی بدولت پایا ہے۔ (ص ۱۹۰۔ انفاس العارفین)

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کی زندگی کے آخری ایام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو پرانے دستور کے مطابق صیام و قیام میں مشغول ہو گئے۔ حالاں کہ شیخ فانی ہونے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور شرعی طور پر بھی اس حالت میں آپ پر روزہ فرض نہ تھا۔ یہ فقیر (ولی اللہ دہلوی) اور سارے اہلِ خانہ جب کہتے کہ رخصتِ شرعی کے باوجود آپ



اتنی زحمت و تکلیف کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ تو آپ فرماتے کہ:

ضعیفی کے سبب زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے ہی اپنے اندر پیدا کر رکھی ہے۔ یعنی حالتِ غَیْبَت۔

جب ماہ شوال (۱۱۳۰ھ) کا چاند نظر آیا تو اِشتہا بالکل ختم ہوگئی۔ اور کمزوری بڑھنے سے ہیضہ جیسا ہوگیا۔ چنانچہ زندگی کی امید ختم ہوگئی تھی اور مُردوں کی طرح گر پڑے تھے۔ گرتے وقت یہ فقیر (ولی اللہ دہلوی) بھی حاضر تھا۔ زبان پر اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِی لا اِلٰہَ الّا ھُوَ الحَیُّ القَیُّومُ جاری ہوا۔

بعد میں آپ (شاہ عبدالرحیم دہلوی) رُو بہ صحت ہونے لگے اور مرض کی شدت گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ پھر ماہِ صفر (۱۱۳۱ھ) کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ کا عزم یہ تھا کہ نمازِ فجر قضا نہ ہو۔ (ص ۱۹۰، ۱۹۱۔ اَنفاس العارفین)

''نمازِ فجر پڑھ کر زیرِ لب ذکرِ اسمِ ذات کرتے ہوئے زندگیِ مستعار کی امانت خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ اَلم ناک واقعہ فرّخ سیر بادشاہ کے آخر عہد میں بروز بدھ بتاریخ ۱۲؍صفر ۱۱۳۱ھ رُونُما ہوا......اس وقت آپ کی عمر ستہتر (۷۷) سال تھی۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ رَحمۃً واسِعۃً (ص ۱۹۱۔ انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے مکتوبات و ملفوظات کا مجموعہ بنام ''اَنفاسِ رحیمیہ'' اور سلسلۂ نقشبندیہ کے معمولات و وظائف و اَوراد و اَشغال وغیرہ پر مشتمل ''ارشادِ رحیمیہ در طریقِ نقشبندیہ'' آپ کی دینی و علمی یادگاریں ہیں مگر افسوس کہ غالباً ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے عظیم المرتبت فرزند حضرت قطب الدین احمد ولی اللہ محدث دہلوی بمقام قصبہ پھُلت (موجودہ مظفر نگر۔ یوپی) بتاریخ ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ مطابق فروری ۱۷۰۳ء متولد ہوئے۔

اپنی ولادت کے تعلق سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''(والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلوی نے) فرمایا: ....ایک مرتبہ مَیں اُنھیں (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُوشی چشتی دہلوی) کے مزارِ مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ آپ کی روحِ مبارکہ ظاہر ہوئی اور مجھ سے فرمایا کہ: تمھارے گھر ایک فرزند پیدا ہوگا، اس کا نام ''قطبُ الدین احمد'' رکھنا۔

اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی تھیں جس میں اولاد کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔ میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہوگئے اور فرمایا:

میرا یہ مقصد نہیں۔ بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمھاری صُلب سے ہوگا۔

کچھ عرصہ بعد دوسرے عَقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتبُ الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔

میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اُتر گیا۔ اس لئے انھوں نے ''ولی اللہ'' نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا نام ''قطب الدین احمد'' رکھا۔

(ص ۱۱۰۔ انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مطبوعہ مکتبۃ الفلاح دیوبند)

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم دہلوی) جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے

فیصلے کے مطابق آپ کے یہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا۔

بعض خاص یارانِ طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ: آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بلند مقامات کو پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

جب مخدومی شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگے کہ یہ بچہ ان کے لختِ جگر سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سُن رکھا ہے کہ: جب اس شادی کی بات پکی ہوگئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ: اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔ حضرت والد (شاہ عبدالرحیم دہلوی) نے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا کہ: میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے۔

چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد تک زندہ رہے۔ اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ: ایک رات حضرت والد ماجد نمازِ تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں۔ نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں۔ اسی اثنا میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے۔ حضرت والد نے فرمایا: یہ دونوں ہاتھ ہمارے اس بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ دُعا مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر (ولی اللہ دہلوی) پیدا ہوا۔ اور سات سال کی عمر میں نمازِ تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے۔ هٰذَا تَاوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا۔ (سورۂ یوسف۔ آیت ۱۰۰)

نیز یہ فقیر (ولی اللہ دہلوی) ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدھی روٹی خیرات دی۔ وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بلا کر باقی آدھی روٹی بھی اسے دے دی اور فرمایا: بچہ جو پیٹ میں ہے، کہہ رہا ہے کہ: خدا کی راہ میں ساری روٹی دے دینی چاہیے۔

ایک دن جب کہ یہ فقیر (ولی اللہ دہلوی) ابھی بہت کم سن تھا، حضرت والد نے اَهْلُ اللّٰه کے نام سے کسی کو دو بار آواز دی۔ ایک شخص نے پوچھا: جناب والا کس کو آواز دے رہے ہیں؟ میری طرف (والد نے) اشارہ کر کے فرمایا: اَهْلُ اللّٰه اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس کا نام خود بخود میری زبان پر جاری ہوگیا ہے۔

حضرت والد اکثر مجلس اور تنہائی میں اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) کی طرف متوجہ ہو کر لطف و مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے کہ: میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم و فنون تیرے سینے میں ڈال دوں۔ جوش میں آکر آپ بار بار یہ بات فرماتے۔ بالآخر آپ کی ان باتوں کا اثر ہوا ورنہ اس فقیر نے تحصیلِ علم میں کچھ اتنی زیادہ محنت نہ کی۔

یہ فقیر بچپن میں ہم عمر رشتہ دار بچوں کے ساتھ باغ میں سیر و تفریح کے لئے گیا۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ: اے فلاں! آج کے دن تم نے کون سی ایسی چیز حاصل کی ہے جو تمھارے لئے سرمایہ اور توشہ بنے؟ ابھی ابھی میں نے اس مختصر سے وقت میں اتنی مرتبہ درود پاک پڑھ لیا ہے۔ محض یہ بات سنتے ہی فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق جاتا رہا۔ پھر ایسا خیال کبھی نہیں آیا۔

(ص ۱۴۵، انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ترجمہ سید محمد فاروق القادری۔ مطبوعہ مکتبۃ الفلاح دیو بند۔ سہارنپور)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چہار شنبہ مؤرخہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں حفظِ قرآن کر لیا تھا۔ اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم دہلوی سے علمِ حدیث و تفسیر و فقہ و اصولِ فقہ و علم کلام و ادب نحو و صرف و طب و فلسفہ وغیرہ پڑھا۔ مشکوٰۃ المصابیح، شمائلِ ترمذی، اور صحیح بخاری کے کچھ حصے حضرت مولانا شاہ افضل سیالکوٹی سے پڑھ کر پندرہ سال کی عمر (۱۱۲۹ھ/۱۷۱۷ء) میں علوم و فنونِ متداولہ کے رسمی استفادہ و تکمیل سے فارغ ہو گئے۔

اسی عمر (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں آپ اپنے والد ماجد (شاہ عبد الرحیم دہلوی) سے بیعت ہوئے اور درس و تدریس و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ اپنے خود نوشت حالات میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"(ترجمہ) پندرہواں سال تھا کہ والد بزرگوار (شاہ عبد الرحیم دہلوی) سے بیعت ہوا۔ صوفیہ بالخصوص نقشبندی مشائخ کے اشغال میں مصروف ہوا۔ توجہ و تلقین و تعلیم و آدابِ طریقت اور خرقۂ صوفیہ پہننے کی جہت و حیثیت سے اپنی نسبت و ارتباط کو درست کیا۔

(اَلجزءُ اللّطیف فی ترجمۃِ العبدِ الضعیف لِلشّاہ ولیّ اللّٰہ المحدِّث الدهلوی۔ مشمولہ انفاس العارفین)

"(ترجمہ) والد صاحب (شاہ عبد الرحیم دہلوی) کے وصال کے بعد بارہ سال تک دینی کتب اور معقولات کے درس میں مشغول رہا۔ ہر علم و فن میں غور و فکر کا موقع ملا۔

چاروں فقہی مذاہب اور کتبِ اصولِ فقہ و احادیثِ کریمہ کے عمیق مطالعہ کے بعد۔ جن سے ائمہ و مجتہدین استنباط فرماتے ہیں۔ نورِ غیبی کی مدد سے فقہائے محدثین کا دل نشیں طریقہ منتخب ہوا۔

(الجزءُ اللّطیف فی ترجمۃِ العبدِ الضعیف لِلشاہ ولی اللّٰہ المحدِّث الدهلوی)

ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور اس دیارِ مقدس میں چودہ ماہ تک مقیم رہ کر وہاں کا فیضان حاصل کرتے رہے۔ انسانُ العین فی مشائخ الحرمین (مشمولہ انفاس العارفین) میں آپ نے وہاں کے علماء و مشائخ و فقہاء و محدثین سے اپنے تعلق و استفادہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

حرمین شریفین کے جن اساتذہ و مشائخ اور ان کے احوال کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، وہ یہ ہیں:

الشیخ احمد الشناوی بن علی بن عبدا لقدو س بن محمد عباس الشناوی۔ الشیخ احمد القشاشی بن محمدبن یونس القشاشی المعروف عبدالنبی بن الشیخ احمد الدجانی۔ السید عبدالرحمٰن الادریسی المحجوب۔ الشیخ شمس الدین محمد بن العلاء البابلی۔ الشیخ عیسیٰ الجعفری المغربی۔ الشیخ محمدبن محمد سلیمٰن المغربی۔ الشیخ ابراهیم الکُردی۔ الشیخ حسن العجمی۔ الشیخ احمد النخلی۔ الشیخ عبداللّٰہ بن سالم البصری۔ الشیخ ابوطاهر محمد بن ابراهیم الکُردی المَدنی۔ الشیخ تاجُ الدین القلعی الحنفی بن القاضی عبد المحسن المَکّی۔

مذکورہ اساتذہ و شیوخ میں شیخ ابو طاہر مدنی سے آپ نے زیادہ اکتسابِ فیض کیا اور ان کے ذریعہ باطنی کمالات سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ الجزءُ اللّطیف (مشمولہ انفاس العارفین) میں آپ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ماموں زاد بھائی و برادر نسبتی اور شاگرد و خلیفہ حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی (متولد رمضان ۱۱۱۹ھ۔ متوفی بعد ۱۱۸۷ھ یا ۱۱۸۸ھ) نے خانوادۂ ولی اللہی کے احوال و آثار پر مشتمل اپنی معروف اور عظیم کتاب "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" (مصنفۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) میں تحریر فرمایا ہے:

"چوں کہ حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کی فطرت میں بچپن ہی سے علم حدیث کی خدمت کا جذبہ تھا اور مدینہ منورہ جو ان علوم کا سرچشمہ تھا، آپ نے چاہا کہ جو عالی السند ہو اس سے آپ حدیث کی روایت کی سند حاصل کریں۔

حضرت شیخ ابو طاہر کردی مدنی کی طرف جو ایک سن رسیدہ بزرگ اور جامع علوم ظاہری و باطنی نیز مجتہد صوفی محدث تھے اور حرمین شریفین میں ان کے پایہ کا کوئی عالم نہ تھا، رجوع فرمایا۔ اور صحیح بخاری شریف کو پچاس مجالس (جلسوں) میں از اول تا آخر سبقاً سبقاً پڑھا۔ کچھ سماعاً اور کچھ قراءۃً۔ اور پوری مسند دارمی شریف مسجد نبوی میں محراب حنفی کے قریب آٹھ جلسوں میں سماعت کی۔ اور بقیہ کتابیں شروع سے پڑھ کر اجازت حاصل کی۔

شیخ مذکور (ابو طاہر کردی مدنی) نے روز ختم بخاری شریف ایک خاص مجلس منعقد کی، دعوت طعام دی اور آپ کی از حد تعظیم و تکریم کی۔

اثنائے درس بیشتر ایسا ہوتا کہ شیخ (ابو طاہر کردی مدنی) خود دقیق نکات کی حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) سے تحقیق کرتے اور برجستہ جوابات شافی سن کر متعجب ہوتے تھے کہ اس کم عمری میں یہ علوم کہاں سے حاصل کیے۔

آخر جب آپ کے کمالات باطنیہ کا علم ہو گیا تو آپ کے معتقد اور گرویدہ ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) شاگرد تھے، آپ (شیخ ابو طاہر کردی مدنی) خود طریقہ شاگردی برتتے تھے اور بعض وہ مشکل مسائل تصوف جو ان (شیخ ابو طاہر کردی مدنی) کے والد (یکے از علمائے محققین) سے بھی حل نہ ہو سکے تھے، حضرت اقدس سے بیان کیے، آپ نے ان کے خاطر خواہ جوابات دیے۔

حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) جب بھی حضرت شیخ (ابو طاہر کردی مدنی) کے پاس جاتے، وہ آپ کو دیکھتے ہی سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اپنے ہاتھ سے مصلیٰ بچھا کر تکیہ لگاتے اور بہ تعظیم و تکریم تمام اس پر بٹھاتے اور شاگردانہ طور پر سامنے بیٹھتے تھے۔

جب حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) نے ان (شیخ ابو طاہر کردی مدنی) سے اجازت نامہ کی درخواست کی تو فرمایا کہ:

"میں اس قابل نہیں کہ آپ کے لئے اجازت نامہ لکھوں۔ میں نے تو خود آپ کی خدمت میں استفادہ کیا ہے"

لیکن جب حضرت اقدس کا اصرار بڑھا تو ضرورۃً تحریر فرمایا اور اس میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

.........اور حکم ان تؤدوا الامنٰت الیٰ اھلھا (سورۂ نساء، آیت ۵۸)

سلاسل کثیرہ جیسے قطاریہ، نقشبندیہ، قادریہ، کبرویہ، شاذلیہ، رفاعیہ، مدنیہ وغیرہ کی اجازت جو ان کو اپنے والد محترم شیخ ابراہیم کردی قدس سرہ (اپنے زمانہ کے مشہور صوفی و محدث) سے ملی تھی، عطا فرمائی۔ اور خرقہ خلافت قریب منبر نبوی آپ کے سر اقدس پر باندھا۔

اور حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) نے حضرت شیخ (ابوطاہر کردی مدنی) کی فرمائش پر ایک رسالہ فرقۂ مبتدعہ کے رد میں شیخ کے نام سے معنون کر کے تصنیف فرمایا۔ اور اس کو "المقدمۃ السّنیۃ لانتصار الفرقۃ السّنّیۃ" سے موسوم کیا۔ اہلِ عرب اس کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر دنگ تھے۔ شیخ نے اس رسالہ کو کاتب حروف سے لکھوا کر اپنے پاس رکھا۔

دوسری تصنیف مسمّٰی بہ "القولُ الجمیل فی بیانِ سَواءِ السّبیل" جس میں اذکار و اشغالِ تصوف و دیگر فوائد طرقِ ثلاثہ یعنی جیلانیہ، نقشبندیہ، چشتیہ ہیں اور دیگر مشاہدات و اسرار جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم سے استفادہ کیے ہیں، انہیں تحریر کیا ہے۔ ان سب کو حضرت شیخ (ابوطاہر کردی مدنی) نے اپنے ہاتھ سے نقل فرما کر حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) کے سامنے پڑھا۔

جب حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) رخصت ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ (ابوطاہر کردی مدنی) نے اپنے گھر سے بہت دور نکل کر آپ کی مشایعت کی۔ شیخ (ابوطاہر کردی مدنی) کے صاحب زادہ اور دیگر اعزّہ تین کوس تک آپ کے ہمراہ رہے۔

..........۱۵ ر شعبان ۱۱۴۴ھ کو مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کیا اور ماہِ رمضان میں متعدد عُمرے کیے۔ اور آخر عشرہ میں بیت اللہ کے سامنے مسجدِ حرام میں اعتکاف کیا۔.............اور اسی جگہ آپ نے ایک رسالہ مسمّٰی بہ "فیوضُ الحرمین" تحریر فرمایا جس میں وہ تمام حالات و واردات اور حقائق و معارف و اسرار و غوامض جو حرمین شریفین میں آپ پر وارد ہوئے تھے، بیان فرمائے ہیں۔

........"القولُ الجمیل فی بیانِ سَواءِ السبیل" اور "المقدمۃُ السّنیّۃ فی الانتصارِ لِلفرقۃِ السُّنّیۃ" یہ دونوں رسالے حرمین میں بہت مشہور ہوئے۔ (اور مختلف بلاد و امصار کے علماء نے ان کی نقول اور اجازتیں حاصل کیں) بعد ازاں حجِ ثانی کر کے وطن کی جانب قصد فرمایا۔ (اور سورت و گوالیار و آگرہ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے)

۱۴ ر رجب ۱۱۴۵ھ ر ۱۷۳۳ء کو بخیر و خوبی دارالسلطنت شاہجہان آباد میں نزولِ اجلال فرما کر تمام اہلِ شہر کو مشرف فرمایا۔

(ص ۶۰ تا ۶۴۔ القولُ الجلی فی ذکرِ آثارِ الولی تالیف شاہ محمد عاشق پھلتی۔ (مخطوطہ ۱۲۲۹ھ) ترجمہ حافظ تقی انور علوی کاکوری۔ خانقاہ کاظمیہ۔ کاکوری شریف ضلع لکھنؤ۔ طبع اول ۱۹۸۸ء)

حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی نے "مشاھداتِ موعودہ" کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کچھ واقعات و واردات و مشاھدات وغیرہ تحریر کیے ہیں جن میں سے چند باتیں یہاں نقل کی جارہی ہیں:

میں نے دس صفر ۱۱۴۴ھ کی شب میں خواب دیکھا کہ: حضراتِ حسنین کریمین رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنھُما میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ حضرت امام حسن کے ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہوا قلم ہے۔ آپ نے دستِ مبارک بڑھا کر وہ قلم اس فقیر کو عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: یہ قلم میرے جدّ بزرگوار یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔ پھر فرمایا کہ: ٹھہر جاؤ تاکہ حسین اس قلم کو درست کر دے۔ پس حضرت امام حسین نے اس کو درست

فرما کر مجھے عنایت فرمایا۔ اس سے ایسا فرحت و سرور مجھے حاصل ہوا جو بیان میں نہیں آ سکتا۔

پھر ایک دھاری دار چادر لائی گئی جس میں ایک سفید دھاری تھی دوسری سبز۔ وہ چادر حضرات حسنین کے روبرو رکھی گئی۔

حضرت امام حسین نے اس کو اٹھا کر بہ زبانِ غیب ارشاد فرمایا: هٰذا رِداءُ جَدّی رسول الله۔

پھر اسے مجھے اُڑھا دیا۔ میں نے اس کو بصد تعظیم و تکریم سَر پر رکھا۔ اور جنابِ الٰہی میں اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا شکریہ ادا کیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ (ص ۶۹، ۷۰۔ القول الجلی)

حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے تحریر فرمایا کہ: جب میں مدینہ منورہ جاتے وقت شہداء بدر کی قبور پر زیارت کو گیا اور ان کی قبور کرامت ظہور کے مقابل کھڑا ہوا، اچانک ان کی قبور سے لاتعداد انوار مثلِ انوارِ محسوسہ میری طرف ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ میں متفکر ہوا کہ ان انوار کا اِدراک بحسِ ظاہر کیا جائے گا یا بہ بصرِ روح (بہ چشم باطن)۔ اور جب میں نے ان انوار کی حقیقت پر غور کیا تو یہ مکشوف ہوا کہ وہ انوارِ رحمت تھے۔ (ص ۷۱۔ القول الجلی)

حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے تحریر فرمایا کہ: مکہ معظمہ میں روزِ ولادتِ سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) مولود شریف میں لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور آپ کے معجزات بیان کرنے میں لوگ مشغول تھے۔

ناگاہ میں نے اس بقعۂ کریمہ سے بجلیاں چمکتی ہوئی دیکھیں۔ مجھے ان کے اِدراک کی فکر ہوئی کہ کے وہ نگاہ ظاہر سے ہیں یا نگاہ باطن سے؟

پھر جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ: وہ ان ملائکہ کے انوار ہیں جو اس متبرک مقام پر مامور ہیں اور ان میں انوارِ رحمت بھی شامل ہیں۔ اور انوار کی تفصیل فیوض الحرمین میں مرقوم ہے۔

جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہو کر روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح کو ظاہر و آشکارا دیکھا۔ لیکن نہ تو عالمِ اَجساد میں نہ عالمِ اَرواح میں بلکہ عالمِ مثال میں جو حسِ ظاہری سے قریب ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عوام جو درود وغیرہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں بیان کرتے ہیں، وہ اسی جہت سے ہے۔

پھر میں یکے بعد دیگرے مَرقدِ مطہر کی طرف متوجہ ہوا تو اس ذاتِ قدسی صفات نے مختلف صورتوں میں ظہور فرمایا۔ الخ۔ (ص ۷۲۔ القول الجلی)

.........مجھے یقین ہو گیا کہ صورتِ کریمہ کی تقویم روح شریفہ کے خواص سے ہے۔ اور اِنَّ الانبیاءَ لایموتون وانھم یُصلّونَ ویَحُجّون۔ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا ہو اور آپ نے انبساط نہ فرمایا ہو اور میرے لئے ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ وذالکَ لِاَنّہٗ رَحمۃٌ لِلعٰلمین۔

حضرت اقدس (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے تحریر فرمایا کہ: مدینۂ منورہ میں داخلہ کے تیسرے روز میں نے آں حضرت صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم اور آپ کے دونوں اَصحاب رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہما پر سلام بھیجا اور عرض کیا کہ: یا رسولَ اللّٰہ! مجھ پر ان نعمتوں کا افاضہ فرمائیے جن کا اللہ نے آپ پر افاضہ فرمایا ہے۔ کہ آپ کی خدمت میں ہم محتاج بن کر آئے ہیں اور آپ رحمۃٌ للعلمین ہیں۔

میں نے دیکھا کہ: آپ نے میری طرف بہت زائد انبساط فرمایا اور مجھ کو اپنی رِدائے مبارک میں ڈھانپ لیا۔ اور مجھ پر اَسرارِ عظیمہ روشن فرمائے۔ اور مجھے حاجتوں میں اپنی ذاتِ مبارکہ سے اِستمداد کی کیفیت سے شناسا فرمایا۔ الخ (ص ۷۳۔ القول الجلی)

(ایک مرتبہ) میں نے سرورِ کائنات صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم کے حضور میں، حدیث: کُنتُ نبیاً و آدمُ مُنجدلٌ بینَ الماءِ والطّین۔ کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے مجھے اپنی صورتِ مثالیہ مشاہدہ کرائی، نیز عالم مثال سے عالمِ اَجساد کی طرف اپنی منتقلی کی کیفیت دکھائی۔ الخ۔ (ص ۷۴۔ القول الجلی مؤلفہ شاہ محمد عاشق پھلتی تلمیذ وخلیفۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ترجمہ حافظ تقی انور علوی کاکوروی۔ خانقاہ کاظمیہ، کاکوری شریف۔ ضلع لکھنؤ طبع اول ۱۹۸۸ء)

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حسب سابق مدرسہ رحیمیہ دہلی (قدیم تاریخ میں اس کا ذکر محض مدرسہ یا مدرسہ شاہ عبدالرحیم کے نام سے ہے) کے طلبہ کو درس دینے میں مصروف ہوگئے اور تصنیف وتالیف کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کا ایک عظیم اور بے مثال کارنامہ ''فتحُ الرحمٰن فی ترجمۃِ القرآن (فارسی۔ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء) ہے، جو ہندوستان میں ترجمۂ قرآن کا آغاز باب ہے۔ فتحُ الرحمٰن کی پہلی طباعت ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے ہوئی۔ بعد میں یہ ترجمہ ہند وپاک سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ چند دیگر کتب ورسائلِ شاہ ولی اللہ کے نام یہ ہیں۔

① حُجّۃُ اللّٰہِ البالغۃ ② الفوزُ الکبیر فی اُصولِ التفسیر ③ فتحُ الخَبیر بمالابُدّ مِن حِفظِہٖ فی علمِ التفسیر ④ تاویلُ الاَحادیث فی قصصِ الانبیاء۔ ⑤ المُسوّیٰ (عربی شرح مؤطا امام مالک) ⑥ المُصفّٰی (فارسی شرح مؤطا امام مالک) ⑦ شرحُ تراجمِ ابوابِ البخاری ⑧ اِزالۃُ الخَفاء عن خِلافۃِ الخُلَفاء ⑨ التّفہیماتُ الالٰہیہ ⑩ الخَیرُ الکثیر ⑪ فیوضُ الحرمین ⑫ الانصاف فی بیانِ سببِ الاختلاف ⑬ عِقدُالجِید فی اَحکامِ الاجتہاد والتقلید ⑭ الدُّرُّ الثّمین فی مُبشّراتِ النبیِّ الامین ⑮ اَنفاسُ العارفین ⑯ القولُ الجمیل۔ ⑰ اَلطاف القدس ⑱ ہَمعات ⑲ سُرورُ المحزون فی ترجمۃِ نُورالعیون ⑳ اَطیَبُ النّغم (نعتیہ کلام) ㉑ الہَوامع شرح حزبِ البحر ㉒ لَمعات ㉓ سَطعات ㉔ المُسَلسَلات ㉕ اَلذِّکرُ المیمون ㉖ العقیدۃُ الحسنۃ ㉗ الفضلُ المُبین فی المسلسلِ مِنَ النبیِّ الامین ㉘ المقدّمۃُ السَّنیۃُ فی الانتصارِ لِلفِرقۃِ السُّنّیۃ ㉙ العطیۃُ الصَّمدیۃ ㉚ فتحُ الوَدُود فی مَعرفۃِالجُنود ㉛ اَلاِرشاد اِلیٰ مُہمّاتِ الاسناد ㉜ مَآثِرُ الاجداد ㉝ اَلانتباہ فی سَلاسِلِ اولیاءِ اللّٰہ ㉞ رسائل تفہیمات ㉟ النّوادِرمن اَحادیثِ سیّدِالاَوائِلِ وَالاَواخِر۔

کتب ورسائل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ جن میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ دونوں ہیں۔ بعض مخطوطات کی شکل میں مختلف لائبریوں میں محفوظ ہیں۔ اور اکثر گردش زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں۔

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی مؤلف تاج العروس شرح قاموس، شاہ محمد عاشق پھلتی، قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی، مولانا نور اللہ بن معین الدین بڈھانوی، سید ثنار علی حسنی واسطی ظفر آبادی، مولانا رفیع الدین بن فخر الدین مرادآبادی، مولانا ظہور اللہ مرادآبادی، مولانا قطب الدین شاہجہاں پوری، مولانا محمد سعید بن محمد ظریف خاں دہلوی ثم بریلوی، مولانا شرف الدین محمد حسینی دہلوی، مولانا عبدالصمد دہلوی ثم لکھنوی، مخدوم محمد معین ٹھٹھوی، حاجی احمد بن ابو احمد دہلوی، خواجہ محمد امین ولی اللہی کشمیری ثم دہلوی، مولانا غلام حسین صمدانی فرخ آبادی، مولانا محمد عثمان بن محمد فاروق بن شیخ محمد حسن معروف بہ بابا عثمان کشمیری، مولانا مخدوم بن حافظ محمد نواز دہلوی ثم لکھنوی، شاہ ابوسعید رائے بریلوی، مولانا محمد جواد پھلتی، شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم پنجابی مکی، سید غلام حسین مکی، مولانا محمد اعظم کشمیری، حکیم ابوالوفا کشمیری، وغیرہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ وفیض یافتگان میں ہیں۔ اسی طرح آپ کے بھائی شاہ اہل اللہ دہلوی اور آپ کے صاحب زادگان شاہ محمد دہلوی وشاہ عبدالعزیز وشاہ رفیع الدین وشاہ عبدالقادر وشاہ عبدالغنی بھی آپ کے فیض تربیت سے بہرہ ور ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہونے کا موقعہ سب سے زیادہ شاہ عبدالعزیز کو حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ نسبی وراثت کے ساتھ مذھبی وعلمی وراثت کے اصل حامل وجانشین آپ ہی ہوئے۔

احوال وافکار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک معروف محقق حکیم سید محمود احمد برکاتی ٹونکی (مقیم کراچی) بن سید محمد احمد ٹونکی (وصال ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) بن حکیم سید برکات احمد ٹونکی (وصال ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) تلمیذ رشید مولانا عبدالحق خیرآبادی (وصال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) مولانا مولوی سید ظہیرالدین عُرف سید احمد ولی اللھی (نواسہ شاہ رفیع الدین دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے) کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب (سید ظہیرالدین عُرف سید احمد ولی اللھی) کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ:

انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی کتابیں شائع کیں بلکہ ایک مُہم اُن حضرات کے خلاف چلائی جو اپنے اَفکار ونظریات کی اشاعت کے لئے شاہ ولی اللہ اوران کے اَخلاف کا نام استعمال کررہے تھے۔ اوران بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کررہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یاان کی کتابوں میں اپنی طرف سے اضافات کررہے تھے۔

مولوی صاحب نے پہلے ''تاویل الاحادیث'' کے خاتمے میں لکھا:

''آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کواس خاندان کی طرف منسوب کردیاہےاور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں ہیں۔

اور بعض لوگوں نے جواُن کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جَودیااور موقعہ پایاتو عبارت کوتغیر تبدل کرڈالا۔

تو میرے کہنے سے یہ غرض ہے کہ جُو اَب تصانیف ان کی چھپیں تواچھی طرح اطمینان کرلینا چاہیے، جب

خریدی جائیں"

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں "التماسِ ضروری" کے عنوان سے لکھا: فی زماننا "الدُّنیا زُورٌ ولاتحصل اِلا بالزُّور"۔ تو بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضراتِ موصوفین کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی کتابوں میں نہیں ہیں۔

اور اربابِ بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مَفاسِد کو اچھی طرح جان لیتے ہیں۔ جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھوٹے کو کسوٹی پر لگا کر پہچان لیتا ہے۔

مگر بمُفحوائے اَلْعَوامُ کالْاَ نعام بے چارے اردو پڑھنے والے علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دین دار بھائیوں کو اَربابِ زمانہ کی گندم نُماجَو فروشی سے آگاہ کر دوں۔ آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

مَنَت آنچہ حق بود گفتم تمام
تودانی دِگر بعد اَزیں والسّلام

اور جعلی ومصنوعی رسائل یہ ہیں:

① تحفۃ المُوَحِّدین: ۔ مطبوعہ اکمل المطابع دہلی۔ منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

② البلاغ المُبین: ۔ مطبوعہ لاہور۔ منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

③ تفسیرِ موضح قرآن: ۔ مطبوعہ خادم الاسلام دہلی۔ منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم۔

④ ملفوظات: ۔ مطبوعہ میرٹھ۔ منسوب بہ طرف حضرت مولانا عبدالعزیز۔

مولوی (سید ظہیرالدین عرف سید احمد ولی اللّٰہی) صاحب کی تصانیف (یادگارِ دہلی وحالاتِ عزیزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی قابلِ ذکر ہیں۔

① شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شائع ہوا ہے اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے، اس مضمون کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ القولُ الجَلی مولوی صاحب کے مطالعہ میں تھی۔

② شاہ اہلُ اللّٰہ پر ایک مفصل مضمون جو تکملۂ ہندی کے آخر میں شائع ہوا۔

مولوی صاحب کی کتاب "یادگارِ دہلی" پر دہلی کے مشہور بزرگ اور مصنف خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی نے جو تقریظ لکھی ہے، وہ درج ذیل ہے:

مولوی صاحب ممدوح ایک ذی علم اور رلائق خاندان سے منسوب ہیں جس میں صدہا سال سے تصنیف وتالیف کا مشغلہ چلا آتا ہے............

آپ مولانا شاہ رفیع الدین کے نواسے اور شاہ عبدالعزیز کے سچے جانشین ہیں۔ اور باعتبار علم ونسب شاہ صاحب کے خاندان میں آپ ہی باقی ہیں۔ آپ شاہ صاحب کی ایک لائق یادگار ہیں۔ آپ نے شاہ صاحب کا نام روشن کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ ....وغیرہ حضرات کی کتابوں کو جن کا ہم نام ہی سنا کرتے تھے، چھاپ کر آپ نے ہندوستان سے ایران، ایران سے عرب اور شام تک پھیلا دیا ہے۔"

(ص ۲۰۱،۲۰۲۔شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب۔ مولفہ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی۔ مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی۔ طبع دوم مارچ ۲۰۰۰ء)

اپنی ایک دوسری کتاب بنام "شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان" میں بعنوان "شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات" حکیم سید محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

"شاہ (ولی اللہ) کے مصنّفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنّفات کو شاہ صاحب کے نام منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ، شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

❶ البَلاغُ المُبین:۔ پہلی بار ۱۳۰۷ھ میں مطبع محمدی لاہور سے ایک اہلِ حدیث عالم مولانا فقیر اللہ نے شائع کی۔ ❷ تحفۃُ المؤحّدین:۔ سب سے پہلے ایک اہل حدیث بزرگ حاجی عبدالغفار دہلی (علی جان والے) نے شائع کی۔ ❸ اِشارۂ مستمرّہ:۔ پہلی بار مولوی فضل الرحمٰن استاذِ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء میں مکتبہ عربیہ، قرول باغ، دہلی سے شائع کیا تھا۔ ❹ قولِ سَدید:۔ کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس میں عدمِ تقلید کی تلقین وتائید کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی اہلِ حدیث حضرات نے ہی شائع کیا ہوگا۔

مندرجہ بالا رسائل میں اهلُ السُّنّۃ والجماعۃ کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ متشدّدانہ اُفکار پیش کیے گئے ہیں جن کو یہ حضرات "تمسّک بِالکتاب والسنۃ" کا نام دیتے ہیں اور جو کتابُ التّوحید (از شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی) کی بازگشت ہیں، اس طرح شاہ صاحب سے اَحناف کو جن کی برِّصغیر میں اکثریت ہے، بدظن اور دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک دوسرے فرقے اربابِ تشیُّع نے ایک دوسرے پہلو سے یہی کوشش کی۔ اور شاہ صاحب کی طرف دو ایسی کتابیں منسوب کیں جو اُن کے تاریخی اور کلامی مسلک سے متناقض ہیں۔ (۱) قُرّۃُ العَینَین فی اِبطالِ شھادۃِ الحسین۔ (۲) جنۃ العالیۃ فی مناقب معاویہ۔

مرزا علی لُطف نے اپنے تذکرہ شُعَرائے گلشنِ ہند میں ان دونوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ گلشنِ ہند ۱۸۰۱ء کی تالیف ہے۔ گویا، شاہ (ولی اللہ) صاحب کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

مولوی محبوب علی دہلوی لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ صاحب پر رافضیوں نے تُہمت اور بہتان کیا کہ اس نے ردِ شہادتِ حسین کا کیا ہے"

مکمل رسائل و کتب تصنیف کر کے شاہ (ولی اللہ) صاحب کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت یہ کی گئی کہ شاہ (ولی اللہ) صاحب کی تالیف میں جابجا ترمیم واضافہ اور تحریف بھی کر دی گئی۔

① تاویلُ الاحادیث کی تازہ اشاعتِ مرتّبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، شائع کردہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ۱۹۶۷ء کے مقدمہ میں ایک عجیب اختلافِ نسخ کی نشان دہی کی گئی ہے اور شقّ قمر کے سلسلے میں شاہ صاحب کے منفردانہ نقطۂ نظر کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ:

شاہ (ولی اللہ) صاحب نے وہ ایک دوسرے عالم کا قول نقل کیا ہے۔ مگر عام متداول ومطبوعہ نسخے میں مقولہ

رہ گیا اور قائل کا نام حذف ہو گیا۔ کیا یہ بدنام اور نشانۂ اعتراض بنانے کی سازش نہیں ہو سکتی؟

② **ھَمعات** :۔ حیدرآباد، سندھ سے ۱۹۶۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مطبوعہ ومخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

③ **عِقدُ الجِیُد** کا اردو ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے "سِلکِ مَرْوَارِید" کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدیر کا اقتباس ہے۔ اس پر حاشیہ میں مولانا محمد احسن نانوتوی لکھتے ہیں:

"قلمی نسخے میں انجام اس رسالے کا اس نقطے پر ہے۔ فتح القدیر کی عبارت آخر کتاب تک اس (نسخے) میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں خود مؤلف نے بعد کو بڑھائی۔ یا کسی اور نے؟"

یہی معاملہ شاہ (ولی اللہ) صاحب کے اَخلاف کرام کی تالیفات کے ساتھ کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کا "تحفۂ اِثنا عشریہ" شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے انھیں خط لکھا۔ جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ وعبارات کا حوالہ دیا گیا جو شاہ (عبدالعزیز) صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

"وتعریضات درباب معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ۔ اگر در نسخۂ تحفۂ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاقِ کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بناءِ مذہب ایشاں یعنی گروہ رَفَضہ از قدیم بر ہمیں اُمور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ اِلحاق شروع کردہ اَند۔

(ترجمہ) اور حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ پر چوٹیں میں نے نہیں کی ہیں۔ اگر تحفۂ اِثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی۔ کیوں کہ رَوافض کے مذہب کی بنیاد ہی شروع سے فتنہ انگیزی اور مکر وکید پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ انھوں نے الحاق شروع کر دیا ہے"۔ (ص ۵۴ تا ۵۷۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ مؤلفہ حکیم سید محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) مطبوعہ مجلسِ اشاعتِ اسلام لاہور)

دہلی کے مشہور نقشبندی مجددی عالم وشیخ شاہ ابوالحسن زید فاروقی (وفات ۱۹۹۳ء۔ چتلی قبر، دہلی) لکھتے ہیں:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ اس فعلِ قبیح (تحریف والحاق) کی برائی بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے مولوی اسمٰعیل کے پیرو ان اِس کام میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحریرات، مکتوبات، حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجدد الفِ ثانی، ان کی اولاد، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ عَلَمُ اللّٰہ رائے بریلوی اور دیگر اکابر کے احوال میں بعض تحریفات کر کے............ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کا ہم نوا سب کو قرار دیا ہے۔"

(القول الجلی کا مقدمہ اور اختتامیہ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی۔ مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، چتلی قبر، دہلی ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء)

یہاں ایک یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے "بعض متفردانہ" رجحانات وخیالات ایسے بھی ہیں جن سے خود آپ کے بھائی شاہ اَہلُ اللّٰہ دہلوی وفرزند وتلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وشاگرد ومستفیض قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی اور بزرگ معاصر مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی بھی متفق اور ان کے

مؤید نہ ہو سکے۔ تفصیل و تحقیق کے لئے اس موضوع سے متعلق کتب و رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سبھی فرزندانِ گرامی قدر آپ کے دینی و علمی وارث اور جلیل القدر عُلمائے دین ہیں۔ علمِ حدیث میں بھی ان حضرات کا پایہ نہایت بلند ہے۔ اور ان حضرات کے دینی و علمی فیوض و برکات سے متحدہ ہند کا ہر گوشہ اور چپہ چپہ مستفید و سیراب ہے۔

ایک فرزند مسمّٰی بہ محمد کم سنی ہی میں انتقال کر گئے تھے جو آپ کی پہلی زوجہ محترمہ مسماۃ فاطمہ بنت شیخ عبید اللہ پھلتی کے بطن سے تھے۔

دیگر چار فرزندوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متولد ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۵ء۔ متوفی ۱۲۳۹ھ/۲۴۔۱۸۲۳ء)

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) عہدِ مغل میں ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام کے عظیم و جلیل محدّث ہونے کے ساتھ تیرہویں صدی ہجری کے مجدّد بھی تھے۔ ملکُ العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) نے اِجمال کے ساتھ اسے اپنے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے اور یہ رسالہ متعدد مقامات سے متعدد مرتبہ شائع ہونے کے ساتھ حیاتِ اعلیٰ حضرت (حصہ سوم، مطبوعہ ممبئی۔ وحیاتِ اعلیٰ حضرت مکمل، مطبوعہ لاہور) میں بھی شامل ہے۔

اجمال و اختصار کے ساتھ اس تحریر کے کچھ حصے ملاحظہ فرمائیں۔ ''تیرہویں صدی کے مجدد'' کے عنوان سے ملکُ العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند و شاگرد و مرید و مستفید اور خلیفہ و جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز (متولد ۱۱۵۹ھ/متوفی ۱۲۳۹ھ) مجددِ مأۃ ثالث عشر (تیرہویں صدی ہجری کے مجدد) ہیں۔ آپ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں صاحبِ علم و فضل و زُہد و تقویٰ، مشہورِ دیار و اطراف تھے۔ اور تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا۔ اور ساری عمر دینی خدمت، درس و تدریس، اِفتا و تصنیف، وعظ و پند، حمایتِ دین و نِکایتِ مُفسِدین میں صَرفِ اوقات فرماتے رہے۔ جزاہُ اللّٰہُ عنِ الاسلامِ والمسلمین خیرَ الجَزاء۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک کتاب ''تحفۂ اِثنا عَشریہ'' وہ کتاب ہے کہ روزِ تصنیف سے اس وقت تک کوئی کتاب اس شان کی نہ لکھی گئی۔

درس و تدریس میں معقولات کے علاوہ فقہ و متعلقاتِ فقہ کا تو اِلتزام تھا مگر خاص چیز درسِ حدیث و فتویٰ نویسی تھی۔ جس کی شہرت ہندوستان سے باہر روم، شام، مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس وغیرہ تک پہنچی ہوئی تھی۔

قسطنطنیہ سے مُلّا رشیدی مدنی نے شاہ عبدالعزیز کے نام ایک خط اس طرح لکھا تھا:

''شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور عُلَما اپنی مہریں اس پر کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ میں آپ کی مہر تلاش کرتا ہے۔ وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو، زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

آپ یہاں تشریف لائیں تو ہم لوگوں کے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔ اور سلطانِ ترکی بھی آپ کی بڑی

عزت کریں گے۔"

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی درسی خوبیاں آپ کے ان نامور شاگردوں کے نام سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں:
مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی (شاہ عبد العزیز کے چھوٹے بھائی) شاہ محمد اسحٰق دہلوی (شاہ عبد العزیز کے نواسے) شاہ محمد یعقوب دہلوی (نواسے) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، شاہ غلام علی مجددی نقشبندی دہلوی، شاہ مخصوص اللہ دہلوی (شاہ عبد العزیز کے بھتیجے) مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا حسن علی لکھنوی، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی قادری برکاتی بدایونی ثم کان پوری (مؤلف رسالہ اِشباعُ الکلام فی المَولودِ و القیام، استاذ مولانا شاہ محمد عادل کان پوری و مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی) مولانا شاہ محمد فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، بیہقیِ وقت قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی، خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی (امامِ اہلسنت مولانا الشاہ محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے شیخ طریقت) مولانا شاہ ابوسعید (نبیرۂ خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجددِ الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی) مولانا شاہ احمد سعید مجددی، مولانا شاہ ظہور الحق قادری پھلواروی بانی خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ، مولانا شاہ عبد الغنی ابو العلائی منعمی۔ (اَخذ واقتباس ص ۱۳۸ تا ص ۱۴۱۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد سوم۔ رضا اکیڈمی۔ ممبئی)

(۲) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (متولد ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء۔ متوفی شوال ۱۲۳۳ھ/اگست ۱۸۱۸ء)

(۳) حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی (متولد ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء۔ متوفی رجب ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء)

(۴) حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی (متولد ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء۔ متوفی ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء)

ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ اِن چاروں بھائیوں کی ولادت جس طرح بطور نزول ہے اسی ترتیب سے ان کا وصال بطور عروج ہے۔ یعنی اس دنیا میں پہلے آنے والے بھائی بعد میں رخصت ہوئے اور یہ سلسلہ آخر کے نمبر چار سے شروع ہو کر نمبر ایک پر اختتام پذیر ہوا۔ فَرَحِمَهُمُ اللّٰهُ تبارکَ وتعالیٰ علیٰ کلِ حال وَاَدْخَلَهُمْ فِی جَنّاتِ النَّعِیم۔

آمین آمین۔ یارَبَّ العٰلمین بِجاہِ حبیبِکَ سیِّدِ المرسَلین علیہِ الصَّلوٰۃُ والتَّسلیم۔

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارُالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

۲۷ر صفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق یکم فروری ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار و بے حساب انعامات واحسانات اس ضعیف (ولی اللہ دہلوی) پر ہیں جن میں سب سے عظیم نعمت فہم قرآن عظیم کی توفیق ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اس احقر امت (ولی اللہ دہلوی) پر بہت زیادہ ہیں جن میں سب سے بڑا احسان تبلیغ قرآن کریم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود قرن اول (کے صحابۂ کرام) کو قرآن عظیم کی تلقین وتعلیم سے نوازا جنھوں نے قرن ثانی (کے تابعین) تک یہ امانت منتقل کی۔ اس طرح قرن اول سے قرن ثانی اور اس کے بعد ہر قرن میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ تا آں کہ اس بندۂ ناتواں (ولی اللہ دہلوی) کو بھی اس قرآن حکیم کی روایت ودرایت کا ایک خاص حصہ میسّر آیا۔

اَللّٰھم صَلِّ علیٰ ھذا النبي الکریم سیدنا ومولانا وشفیعنا اَفضلَ صلوٰ تِکَ واَیمنَ برکاتِکَ وعَلیٰ آلہٖ واَصحابہٖ وعُلَماءِ اُمّتہٖ اَجمعین۔ بِرَحمتِکَ یاأَرحمَ الراحِمِین۔

اَمّا بعد۔ فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم۔ عامَلَھُمَا اللّٰہُ تعالیٰ بِلُطْفِہٖ العَمِیْم۔ عرض کرتا ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب مجھ فقیر پر فہم قرآن حکیم کا فتح باب فرمایا تو میں نے سوچا کہ بعض مفید نکات جو تدبُّر کلام اللہ میں اہل دین وعلم احباب کے کام آسکیں، انھیں ایک مختصر رسالہ کے اندر جمع کردوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے کراں عنایات سے امید ہے کہ محض ان قواعد کے سمجھ لینے سے معانی ومطالب قرآن حکیم کی شاہراہ کشادہ ہوجائے گی طالبان علم قرآن تفاسیر کے مطالعہ، اور مفسرین (جو اس زمانہ میں نہایت قلیل التعداد ہیں) سے درس لینے میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صَرف کردیں تب بھی اس نظم وضبط کے ساتھ انھیں اتنے فوائد ونکات حاصل نہیں ہوسکتے۔

میں نے اپنے اس رسالہ کا نام ''اَلفوزُ الکبیر فِی اُصولِ التَّفسیر'' رکھا ہے۔ وَمَا تَوفِیقِي اِلَّا باللّٰہِ، عَلَیہِ توکّلتُ وَھُوَ حَسْبِي ونِعْمَ الوکِیل۔

اس رسالہ (الفوزُ الکبیر) کے مقاصد پانچ ابواب پر مشتمل اور انھیں میں منحصر ہیں۔

بابِ اول

علومِ خمسہ کا بیان، جنھیں قرآنِ حکیم صراحۃً بیان کرتا ہے۔ گویا نزولِ قرآن اصلاً انھیں علومِ خمسہ کے لئے ہوا ہے۔

بابِ ثانی

اپنے اہلِ زمانہ کے معیارِ فکر وفہم کے پیشِ نظر نظمِ قرآن کے اسباب وجُوہِ خفا کی نشان دہی اوران اسباب ووجوہِ خفا کے اِزالہ کا واضح بیان۔

بابِ ثالث

نظمِ قرآن کے لطائف اوران کے نادراسلوب کی بقدرِ طاقت وامکان تشریح۔

بابِ رابع

تفسیرِ قرآن کے فنون ومناہج کا بیان اورتفاسیرِ صحابہ وتابعینِ کرام کے درمیان واقع اختلافات کا حل۔

بابِ خامس

قرآنِ حکیم کے مشکل اورغریب (نادر) الفاظ کی شرح اوراسبابِ نزول کا بیان، جنھیں جاننا اوریاد رکھنا ہر مفسر کے لئے ضروری ہے اوران کے ضبط واِستیعاب کے بغیر تفسیر میں غور وخوض کرنا ممنوع ومحظور۔



بابِ اول

قرآنِ حکیم میں علومِ خمسہ کا واضح وصریح بیان

مندرجہ ذیل علومِ خمسہ کے اندر ہی منصوص وصریح معانی ومضامینِ قرآن دائر ہیں۔

① علم احکام:- واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام امور ومعاملات کا جاننا خواہ وہ از قسم عبادات ہوں یا معاملات یا تدبیرِ منزل یا سیاستِ مدنیہ۔

اس علمِ احکام کی تحقیق وتفصیل فقیہ کا فریضہ ہے۔

② علمِ جدل ومخاصمہ:- چار گمراہ فرقے، یہود ونصاریٰ ومشرکین ومنافقین سے مباحثہ ومناظرہ کرنا۔

اس علم کی توضیح وتفریع متکلم کی ذمہ داری ہے۔

③ علمِ تذکیر بآلاءِ اللہ:- یہ ایسا علم ہے جس میں زمین وآسمان کی تحقیق، بندوں کی ضرورت کے مطابق ان کے دلوں میں اثر آفریں کلمات کا القاء، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا بیان اور ان کی توضیح وتشریح کی جاتی ہے۔

④ علمِ تذکیر بِایّامِ اللہ:- یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ مشیّتِ الٰہی کے مطابق فرماں برداروں واطاعت شعاروں کو انعام اور عاصیوں ومجرموں کو دیے جانے والے عذاب جیسے واقعات وحوادث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

⑤ علمِ تذکیرِ موت ومابعدِ موت:- یہ علم حشر ونشر، حساب ومیزان اور جنت وجہنم سے متعلق ہے۔

ان تینوں مؤخر الذکر علوم کی تفصیل وتشریح اور ان سے مناسبت رکھنے والی احادیث وآثارِ مبارکہ کا بیان واعظ ومذکّر کا مخصوص فریضہ ہے۔

علومِ خمسہ کا قرآنی اسلوب

قرآنِ حکیم کے علومِ خمسہ قدیم اہلِ عرب کے اسلوب پر ہیں، متاخرین کے طرز وطریقہ پر نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آیاتِ احکام کے اندر اہلِ متون کے قاعدہ کے مطابق نہ تو اختصار کا اور نہ ہی اہلِ اصول کے فن کے مطابق غیر ضروری قیود سے تنقیحِ قواعد کا کوئی التزام ہے۔

آیاتِ مخاصمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلماتِ مشہورہ اور خطابِ نافع کے ذریعہ منکر کے ردّ وابطال کا اسلوب اختیار فرمایا ہے اور اس نے اہلِ منطق کے طرز پر تنقیحِ براہین نہیں فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک مقصود سے دوسرے مقصود کی طرف انتقالِ عبارت وآیت کی مناسبت کے سلسلے میں اُدبائے متاخرین کا جو قاعدہ وطریقہ ہے اس کی بھی اس نے کوئی رعایت نہیں فرمائی ہے۔ بلکہ بندوں کے حق میں جب جو بات ان کی تعلیم وہدایت کے لئے مناسب واہم تھی اسے بلا رعایتِ تقدیم وتاخیر بیان فرمادیا ہے۔[1]

---

[1] یہ ایک طبقہ کی رائے ہے۔ اس کے برخلاف دوسرا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ ہر آیت اپنے قبل وبعد کی آیت، اور ہر سورہ اپنے قبل وبعد کی سورت کے ساتھ ایک خاص معنوی ربط رکھتی ہے۔ جس کا علم وادراک رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ان کے معیار، مرتبہ اور سعی وجستجو کے لحاظ سے عطا فرماتا ہے۔ تفصیل "اتقان" میں ہے۔ مترجم

سببِ نزول کی تفسیری حیثیت

مفسرینِ قرآن عام طور پر آیاتِ جَدَل ومخاصَمہ وآیاتِ احکام میں سے ہر آیت کو کسی واقعہ وقصہ سے جوڑ کر اسی قصہ اور واقعہ کو اس آیت کا سببِ نزول (شانِ نزول) قرار دیتے ہیں۔لیکن امرِ محقق یہ ہے کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد تہذیب واصلاحِ انواعِ بشر، اور ان کے درمیان پائے جانے والے عقائدِ باطلہ واعمالِ فاسدہ کی بیخ کنی ہے۔

درحقیقت آیاتِ مخاصَمہ کے اسبابِ نزول ،نفوسِ بشری کی ہدایت وتہذیب اور نوعِ انسانی کے عقائدِ باطلہ واعمالِ فاسدہ کا اِستیصال ہیں۔اس لیے حقیقت یہ ہے کہ مکلّف انسانوں کے عقائدِ باطلہ، آیاتِ مخاصمہ کا سببِ نزول اور ان کے اعمالِ فاسدہ وتجاوزات ومظالم کا وجود، آیاتِ احکام کا سببِ نزول ہیں۔اسی طرح آیاتِ تذکیر بآلاءِ اللّٰہ وایّامِ اللّٰہ والموت ومابعدہ کے اسبابِ نزول، انسانوں کی بے توجہی اور شدید غفلت ہیں کہ ان آیاتِ تذکیر کے بغیر وہ ہوش میں نہیں آتے اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

واقعات وجُزئیات اور ان کے خصوصی اسباب جن کے بیان وروایت کی مفسرین نے جگہ جگہ بار بار زحمت اٹھائی ہے، ان کا تفسیر میں کوئی ایسا دخل نہیں جو زیادہ قابلِ اعتبار ہو، سوائے اُن چند اسبابِ نزول کے جن کا تعلق بعض آیاتِ کریمہ سے ہے، جن میں عہدِ رسالت مآب صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یا اس سے پہلے کے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔اور سامع وقاری کو جو انتظار اس اشارہ کی وجہ سے درپیش ہے، وہ اس واقعہ کی وضاحت کے بغیر ختم نہیں ہوسکتا۔

ایسی صورت میں ہمارے لئے لازم ہے کہ ان علومِ خمسہ کی ایسی تشریح کریں کہ جُزوی واقعات وقصص بیان کرنے کی ہمیں ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

فصلِ اول

قرآنِ حکیم میں چار گمراہ فرقوں: مشرکین ،منافقین ،یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ہونے والا جَدَل ومخاصَمہ (مباحثہ ومناظرہ) اِن دو قسموں پر مشتمل ہے:

اول:-اللہ تعالیٰ نے باطل عقائد کا ذکر ان کی قباحت وشناعت کی تصریح کے ساتھ کیا ہے اور ان پر محض نکیر فرمائی ہے۔

ثانی: مذکورہ گمراہ فرقوں کے شکوک وشبہات واضح کر کے دلائلِ برہانی یا خطابی سے ان کا اِزالہ فرمایا ہے۔

مُشرکین اور مِلّتِ ابراہیمی

مشرکینِ عرب اپنے آپ کو ''حُنَفَاء'' کہتے تھے اور مِلّتِ ابراہیمی کا ہم مذہب ہونے کے مدّعی تھے۔حَنِیف اس شخص کو کہتے ہیں جو مِلّتِ ابراہیمی کے دین پر قائم اور اس کے شعائر کا پابند ہو۔

مِلّتِ ابراہیمی کے شعائر یہ ہیں: بیتُ اللّٰہ کا حج ،نماز میں استقبالِ کعبۃُ اللّٰہ، غسلِ جنابت، ختنہ ودیگر فطری سنّتیں، اشھُرِ حُرم کی تحریم، مسجدِ حرام کی تعظیم، نسبی ورضاعی مُحرَّمات کی تحریم، ماکولُ اللّحم جانور کے حَلق میں ذبح، اونٹ کے سینہ کے بالائی حصہ میں نَحر، ذبح ونحر کے ذریعہ عام ایام بالخصوص ایامِ حج میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کی خواہش وطلب۔یہ سب

شعائرِ ملّتِ ابراہیمی ہیں۔

وضو، نماز، طلوعِ صبح صادق سے (فرض ایامِ صیام میں) غروب آفتاب تک کا روزہ، یتامیٰ ومساکین پر صدقہ، آفات ومصائب میں یتیموں اور ضرورت مندوں کی امداد واعانت اور صلہ رحمی، یہ سارے امور ملّتِ ابراہیمی میں مشروع ہیں جن کی مدح وستائش اہلِ ملّتِ ابراہیمی کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ جب کہ جمہور مشرکین یہ چیزیں چھوڑ بیٹھے تھے اور ان کا ایسا حال ہو گیا تھا کہ گویا ان کاموں کا ان کے درمیان کبھی کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

اصل ملّتِ ابراہیمی میں قتل، چوری، زنا، سُود اور غصب کی حرمت بھی ثابت تھی جن کے اِرتکاب کو اہلِ ملّت شنیع وقبیح سمجھتے تھے۔ لیکن جمہور مشرکین ان کے مرتکب ہوا کرتے تھے اور نفسِ امّارہ کی غلامی کیا کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود اور اس کے خالقِ زمین وآسمان ہونے پر اہلِ ملّت کا عقیدہ تھا۔ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ ہی سارے چھوٹے بڑے حوادث کی تدبیر اور رسولوں کی بعثت اور بندوں کے اعمال پر جزا وسزا کی قدرت رکھتا ہے۔ جو حوادث وواقعات پیش آتے ہیں، ان کے رُونما ہونے سے پہلے وہی اُن کا فیصلہ کرتا ہے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کے مقرب بندے اور مستحقِ تعظیم ہیں۔

ان کے یہ عقائد واضح اور ثابت تھے جن کا ثبوت ان کے اشعار سے بھی ملتا ہے۔ لیکن جمہور مشرکین ان عقائد کے بارے میں بہت سے شبہات میں مبتلا تھے۔ جس کا سبب یہ تھا کہ وہ انھیں بعید اَز فہم سمجھتے تھے اور ان کے علم وادراک سے انھیں کوئی دل چسپی بھی نہ تھی۔

مشرکین کی گمراہیاں

مشرکینِ عرب کی چند گمراہیاں یہ ہیں:- شرک، تشبیہ، تحریف، انکارِ آخرت۔

یہ مشرکین پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت ورسالت کو بعید اَز عقل سمجھتے تھے۔ ان کے درمیان اعمالِ قبیحہ اور ظلم وستم عام ہو گیا تھا۔ یہ مشرکین باطل مذہبی رسوم ایجاد کر لیا کرتے تھے اور عبادتیں ان کے دلوں سے محو ہو گئیں تھیں۔

شرک:- اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ماننا شرک ہے۔ مثلاً کائنات کے اندر اپنے ارادہ ومشیت سے تصرف، جسے "کُنْ فَیَکُوْنُ" کہا جاتا ہے۔ یا کسی غیرُ اللہ کے لئے علمِ ذاتی ماننا، جو نہ حَوَاس کے ذریعہ ہو نہ عقل نہ خواب نہ اِلہام وغیرہ کے ذریعہ یا کسی مریض کو خود شفا دینا۔ یا کسی شخص پر ایسی لعنت یا ناراضی جس کے سبب وہ شخص تنگ دست یا بیمار یا بد بخت ہو جائے۔ یا کسی شخص کے ساتھ ایسی رحمت ومہربانی جس کے سبب وہ شخص کشادہ رزق وصحیح البدن اور نیک بخت ہو جائے (ان صفات وتصرُّفات کا کسی غیر اللہ کو بالذّات حامل قرار دینا شرک ہے)

مشرکینِ عرب جواہر کی تخلیق اور تدبیرِ اُمور میں کسی کو اللہ کا شریک وسہیم نہیں مانتے تھے۔ کسی معاملے میں اللہ کے قطعی اور اٹل فیصلے کے بالمقابل کسی شخص کے اندر ایسی کوئی قدرت نہیں مانتے تھے جو اسے روک سکے۔ البتہ بعض خاص امور میں بندوں کی شرکت کے قائل تھے۔ اور ان کا گمان یہ تھا کہ کوئی جلیلُ القدر بادشاہ جس طرح اپنے کچھ

مخصوص اُمرا و حُکّام کو اپنی سلطنت کے مختلف علاقوں میں اس حکم کے ساتھ بھیجتا ہے کہ جب تک کسی خاص معاملے میں بادشاہ کا کوئی صریح حکم نہ ہو اُس وقت تک وہ جُزوی امور و معاملات میں مُختار و متصرِّف ہیں۔ بادشاہ اپنی رعایا کے ان جُزوی امور و معاملات سے بے نیاز رہ کر ساری رعایا کو ان اُمرا و حُکّام کے حوالے کر دیتا ہے اور ان کے خُدّام و منتسبین و مقرَّبین کے سلسلے میں ان کی ہر سفارش وہ بادشاہ قبول کر لیتا ہے۔ کچھ ایسا ہی خیال و گمان ان مشرکینِ عرب کا اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں بھی تھا کہ اس نے اپنے بعض بندوں کو خلعتِ اُلوھیت سے نواز دیا ہے جن کی خوشی و ناراضی دوسرے بندوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسے ہی خیال و گمان کے تحت یہ مشرکینِ عرب ضروری سمجھنے لگے کہ کچھ بندگانِ خاص کا تقرُّب پائیں تا کہ ان کے ذریعہ مالکُ الملک وحدہٗ لاشریک کی رضا اور قرب حاصل کر لیں اور ان کے روزمرّہ کے معاملات میں ان بندگانِ خاص کی سفارش کو درجۂ قبول مل جائے۔[۱]

انھیں باطِل افکار و خیالات کے تحت مشرکینِ عرب اپنے طور پر یہ جائز سمجھتے تھے کہ ان بندگانِ خاص کو سجدہ کریں، ان کے تقرُّب کی نیت سے جانور کی قربانی کریں، ان کے نام کی قسم کھائیں، ان کے اندر "کُنْ فَیکون" کی قدرت سمجھ کر اہم امور میں ان سے استعانت کریں، ان کی شکل و صورت سے ملتی جلتی مورتیاں بھی انھوں نے پتھر اور پیتل کی تراش لیں اور ان مورتیوں کو ان کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ اور اپنا قبلۂ توجہ بنا لیا۔ ان جاہل مشرکوں اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے رفتہ رفتہ ان مورتیوں ہی کو اپنا معبود سمجھ لیا۔ اس طرح ایک عظیم اِنحراف اور گمراہی ان کے عقیدوں میں داخل ہو گئی۔

تشبیہ:- اللہ تبارک و تعالیٰ کو کسی بشری صفت سے مُتّصِف ماننا تشبیہ ہے۔ مشرکینِ عرب کہا کرتے تھے کہ:

فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مقرَّب بندوں کی سفارش قبول کر لیتا ہے، خواہ وہ اسے پسند نہ ہو۔ جیسا کہ بادشاہ کبھی کبھی اپنے بڑے اُمرا و حُکّام کی سفارش قبول کر لیتے ہیں۔

اللہ کا علم و سمع و بصر جو اُس کی شان کے لائق ہے اسے وہ نہ سمجھ سکے تو اپنے علم و سمع و بصر پر قیاس کر کے اس کے

---

[۱] شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے حجۃ اللہ البالغہ (۱/۱۱۴- دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے:
"پہلے کے مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اگلے صالحین نے اللہ کی عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کیا تو اللہ نے انھیں الوہیت عطا کر دی اور وہ بقیہ خلقِ خدا کی طرف سے عبادت کے مستحق ہو گئے... انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان حضرات کی پرستش کیے بغیر خدا کی پرستش مقبول نہیں ... پھر مشرکین نے ان صالحین کے ناموں پر پتھروں سے ان کی مورتیں تراشیں، اور ان مجسموں کو ان صالحین کی جانب توجہ کا قبلہ بنا لیا۔ بعد میں جو مشرکین آئے انھوں نے ان کی اصل کا کچھ خیال نہ رکھا اور بعینہٖ انھی کو معبود بنا لیا"۔ انتہیٰ ملخصاً مترجماً۔
اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مشرکین صالحین کو الوہیت سے موصوف اور عبادت کا مستحق مانتے تھے، اور بعد کے مشرکین تمام اصنام کو الٰہ اور مستحقِ عبادت ماننے لگے۔ یقیناً یہ اگلے پچھلے دونوں طرح کے افرادِ مخلوق کو الوہیت سے موصوف اور عبادت کا مستحق مان کر شرکِ اکبر کے مرتکب تھے اگر چہ عالم کا خالق و مدبر اللہ ہی کو مانتے تھے۔ اور مسلمان جو انبیا و اولیا کو خدا کا بندہ، خدا کی معرفت کا ذریعہ، اور اس تک رسائی و قرب کا وسیلہ مانتے ہیں اور کسی طرح انھیں الوہیت سے موصوف یا عبادت کے لائق نہیں مانتے وہ ہرگز نہ مشرک ہیں نہ مشرکین کے مشابہ بلکہ قرآن و سنت کی تعلیم و تلقین اور طریقۂ صحابہ و تابعین کے تابع ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور ان کے اساتذہ و مشائخ بھی اسی پر ہمیشہ قائم رہے، جیسا کہ ان حضرات کی تصنیفات سے ثابت ہے۔ مترجم۔

لیے جسم ومکان کا عقیدہ رکھنے کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

تحریف:- بنو اسمٰعیل اپنے جدِّ کریم سیدنا ابراہیم عَلَیہِ السَّلام کی شریعت پر تھے۔ جب عَمرو بن لُحَی لَعنۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ پیدا ہوا تو اس نے ان کے لیے بُت بنائے اور ان کی عبادت کو جائز قرار دیا۔ اور ان بتوں کے لئے بَحِیرَہ وسائبہ اور حام جانوروں کے آزاد چھوڑنے اور تیروں (پانسوں) کے ذریعہ قسمت آزمائی جیسے کاموں کا سلسلہ اس نے شروع کیا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم کی بعثت سے تین سو سال پہلے یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ اپنی بت پرستی وبد مذہبی کے سلسلے میں مشرکین اپنے آباواَجداد کی روِش اور روایت سے استدلال کرتے ہوئے اسے اپنے لیے ایک دلیلِ قطعی سمجھنے لگے تھے۔

انکارِ آخرت:- مشرکین اگرچہ حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السَّلام بلکہ حضرت موسیٰ علیہِ السَّلام کی نبوت کے قائل تھے۔ لیکن بشری صفات جو انبیاء کرام کے جمالِ باکمال کے لیے حجاب ہیں، اس حجاب نے مشرکوں کو تشویش و پریشاں خاطری میں مبتلا کر رکھا تھا اور حکمتِ بعثتِ انبیاء کرام کے اندر تدبیرِ الٰہی کی جو حقیقت تھی اسے وہ نہ سمجھ سکے تو رسالت کو بعید اَز فہم سمجھنے لگے۔ کیوں کہ وہ یہ سمجھتے اور چاہتے تھے کہ رسول اور مُرسِل کے درمیان مماثلت ہونی چاہیے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ رسالتِ محمدی علیٰ صاحبِھا الصَّلوٰۃ والسَّلام کے بارے میں احمقانہ اور ناقابلِ التفات شکوک وشبہات کا اظہار کرنے لگے۔ مثلاً یہ کہ نبی کھانے پینے کا محتاج کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ ہر شخص پر الگ الگ وحی کیوں نازل نہیں ہوتی؟ وغیرہ وغیرہ۔

مُشرِکانہ مماثلت:- مشرکینِ عرب کے عقائد واعمال اور ان کے احوال سمجھنے سمجھانے میں کچھ توقُّف ہو تو اہلِ زمانہ بالخصوص دارُ الاسلام کے اطراف ونواحی میں سکونت پذیر بعض پیشہ وروں اور جاہل مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات دیکھ لیجیے کہ ولایت کے بارے میں ان کا خیال کیسا ہے؟ اولیاءِ متقدمین کی ولایت کے قائل ہونے کے باوجود وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس زمانہ میں اولیا کا وجود محال ہے۔ ایسے لوگ قبروں اور آستانوں پر جاکر طرح طرح کے مشرکانہ اعمال کا اِرتکاب کرتے ہیں۔ ان کے اندر تشبیہ وتحریف نے راہ پالی ہے اور بحکمِ حدیثِ صحیح "تم اپنے اگلوں کا طریقہ اپنالوگے" ہمارے زمانہ کا ایک گروہ طرح طرح کے اِنحرافات کا مرتکب اور آفات میں مبتلا ہے۔ عافانا اللّٰہُ سبحٰنہٗ وتعالیٰ مِن ذٰلک۔

مِلّتِ ابراہیمی اور بعثتِ محمدی:- حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سیدُ الانبیاء والمُرسَلین صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عربوں میں مبعوث فرماکر انھیں ملّتِ ابراہیمی کی اِصلاح کا حکم دیا۔

اور قرآنِ عظیم میں مُشرکین ومنکرین سے مباحثہ ومجادلہ فرمایا گیا۔ اس مجادلہ ومخاصمہ میں ان کے ایسے مسلّمات سے استدلال فرمایا گیا جو مِلّتِ ابراہیمی کے آثار وباقیات تھے تاکہ جواب مُسکِت ہو اور حق واضح ہو جائے۔

جوابِ شافی وایضاحِ حق

ردِّ شرک:- اوّلاً- مشرکین سے ان کے دعویٰ کی دلیل طلب کی گئی اور اپنے آباواَجداد کی روایت وعادت

کے اِلتزام کو بطور دلیل پیش کیے جانے پر نقض وارد کیا گیا۔

ثانیاً:- وہ بندے جن کی یہ مشرک عبادت کرتے ہیں، ان کی کسی طرح کی برابری اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ نہیں۔ اور تعظیم کا انتہائی درجہ (کہ عبادت میں داخل ہو جائے) اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے خاص ہے جو ان بندوں کے لیے نہیں ہے۔

ثالثاً: صرف اللہ کے معبود ہونے پر انبیاے کرام کا اِجماع ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّانُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (سورۃ الانبیاء: آیت ۲۵)

اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری ہی عبادت کرو۔

رابعاً:- عبادتِ اصنام کی شناعت وقباحت کا بیان اور اس حقیقت کی وضاحت کہ یہ پتھر اور مورتیاں انسانی کمالات سے عاری اور انسانی درجات سے بھی فروتر ہیں تو پھر مرتبۂ اُلوہیّت سے ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

یہ جواب ایسے مشرکوں کو دیا گیا ہے جو بتوں کو معبود بِالذّات سمجھتے تھے۔

ردِّ تشبیہ:- **اوّلاً:** مشرکین کے دعویٰ کی دلیل طلب کی گئی اور اپنے آباواَجدَاد کی روایت وعادت کے اِلتزام کو بطور دلیل پیش کیے جانے پر نقض وارد کیا گیا۔

ثانیاً: والد اور اس کی اولاد کے درمیان مجانست ضروری ہے جو یہاں بداھۃً معدوم ہے۔

ثالثاً: جو نسبت خود مشرکین کے نزدیک معیوب ومذموم ہے اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں منسوب کرنے کی قباحت وشناعت کا بیان۔ مثلاً: اَلِرَبِّکَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ۔ (سورہ الصّافات: آیت ۱۴۹) کیا ان کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور خود ان کے لئے بیٹے؟

یہ ردو اِنکار ایسے لوگوں کے لیے ہے جو رائج ومشہور باتوں اور شعری تخیلات کے خوگر ہیں۔ اور اکثر مُشرک ایسے ہی تھے۔

ردِ تحریف:- **اوّلاً۔** مشرکین کی تحریف کردہ کوئی بات ائمۂ دینِ حنیف سے منقول نہیں۔

ثانیاً: یہ "بدمذہبی" اور "اختراعی باتیں" ایسے لوگوں کی ہیں جو معصوم نہیں ہیں۔

ردِّ اِستبعادِ حشر ونشر:

اوّلاً: جس طرح مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا۔ اس طرح کے دوسرے قیاسات بیان کیے گئے ہیں۔ اور مناط ومدار کی تنقیح کی گئی ہے جو شمولِ قدرت اور امکانِ اِعادہ ہے کہ قدرتِ الٰہی عام ہے اور اعادۂ تخلیق، قادرِ مطلق کے لیے ممکنات میں سے ہے۔

ثانیاً: کتبِ سماوی کے سبھی ماننے والے خبر دیتے چلے آرہے ہیں کہ حشر ونشر برحق ہیں۔

ردِّ استبعادِ رسالتِ محمدی:

اوّلاً: اُممِ سابقہ کے درمیان نبوت ورسالت کے حاملین مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ (سورۂ یوسف: آیت ۱۰۹)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنھیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ (سورۂ رعد: آیت ۴۳)

کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو۔ تم فرماؤ: اللہ گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وہ جسے کتاب کا علم ہے۔

ثانیاً: دفع استبعاد کے لیے واضح کیا گیا ہے کہ یہاں رسالت سے مراد وحی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (سورۂ کہف: آیت ۱۱۰)

تم فرماؤ: میں تمہاری طرح صرف صورتِ بشری میں ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اور وحی کی ایسی تفسیر کی گئی جو محالات میں سے نہ ہو۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِىَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيْمٌ۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۵۱)

اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر۔ یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے اُدھر ہو۔ یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔ بے شک وہ رفعت و حکمت والا ہے۔

ثالثاً: مشرکین کی طرف سے ان کے کسی متعین اور نامزد شخص کو رسول بنانے، فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجنے، ہر شخص کے پاس وحی نازل کرنے کی خواہشات و مطالبات کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے معجزات ظاہر نہ ہونے اور ان کی ایسی باتیں نہ ماننے جانے میں حکمت کلی ہے جس کے ادراک سے ان کا علم وفہم قاصر ہے۔

اِعادہ وتکرارِ مضامین کی حکمت

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت کے لئے جن لوگوں کے درمیان مبعوث فرمایا، ان کی غالب اکثریت مشرک تھی اس لیے قرآن حکیم کی بہت سی سورتوں میں مذکورہ مضامین ومباحث کو متعدد اسالیب میں واضح ومؤثر تاکیدات کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ان مضامین کے اعادہ وتکرار سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی اجتناب واحتراز نہیں فرمایا ہے۔

حکیم مطلق جَلَّ مَجْدُہٗ کا خاصہ ان جاہلوں کے ساتھ اسی طرح ہونا مناسب تھا اور ان سفیہوں، بے عقلوں کے جواب میں ایسی ہی تاکید کی ضرورت تھی۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ (سورۂ انعام: آیت ۹۶)

تذکرۂ یہود

یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے مگر ان کی گمراہی یہ تھی کہ:

احکام توریت کے اندر تحریف کرتے تھے، خواہ وہ تحریف لفظی ہو یا معنوی۔ بعض یہود آیاتِ توریت کو چھپاتے تھے۔ اپنی طرف سے گڑھ کر آیاتِ توریت میں الحاق کر دیا کرتے تھے۔ احکام توریت کے نفاذ میں تساہل برتتے

تھے۔اپنے مذہب کی بے جاحمایت میں مبالغہ کرتے تھے۔پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی رسالت کے منکر تھے۔شانِ رسالت بلکہ شانِ اُلوہیت میں بھی طعن وتشنیع اور بے ادبی کیا کرتے تھے۔اور حرص وبخل وغیرہ خصائل رذیلہ میں مبتلا تھے۔

توریت میں لفظی ومعنوی تحریفات

توریت کے ترجمہ وغیرہ میں یہودی تحریف کیا کرتے تھے۔اصل توریت میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے۔
فقیر (ولی اللہ دہلوی) کے نزدیک یہی بات محقق ہےاور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عنہُ کا بھی یہی قول ہے۔
کسی آیت کو اپنی کج فکری وخسارت اور صراطِ مستقیم سے انحراف کے ساتھ اس کے متعین معنی کے خلاف محمول کر کے کوئی تاویلِ فاسد کرنا تحریفِ معنوی ہے۔
تحریفِ معنوی کی چند مثالیں: ❶ دین کی تصدیق کرنے والے مذہبی فاسق اور انکار کرنے والے کافر کے درمیان واضح فرق ہر مِلّت ومذہب میں بیان ہوا ہے۔
اور یہ بھی کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور عذابِ شدید میں گرفتار ہوں گے۔
فاسق انسان انبیائے کرام کی شفاعت سے جہنم سے آزاد کر دیے جائیں گے۔
یہ صریح حکم ہر مذہب کے ماننے والوں کی وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔توریت میں یہودیوں، عبرانیوں، انجیل میں نصرانیوں اور قرآن عظیم میں مسلمانوں کے لیے یہ حکم ثابت ہے۔
اس حکم نجات وشفاعت کا مناط ومدار یہ ہے:۔اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا، اس پیغمبر کی تصدیق واطاعت کرنا جو اُن کے لیے مبعوث ہوا ہے۔اَوامر وَ اَحکامِ مِلّت پر عمل کرنا اور ممنوعات ومحظوراتِ شرعیہ سے اجتناب کرنا۔خواہ کوئی بھی فرقہ اس حکم پر کاربند ہو۔کسی ایک فرقہ کے لئے یہ حکم خاص نہیں۔
لیکن یہود کا گمان ہے کہ جو بھی یہودی یا عبرانی ہوگا وہ لازمی طور پر جنتی ہے۔انبیائے کرام کی شفاعت سے یہود عذاب جہنم سے نجات پا جائیں گے۔چند روز سے زیادہ وہ جہنم میں نہیں رہیں گے، اگرچہ ان کے لئے مذکورہ مناط حکم کا تحقق نہ ہو۔اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر صحیح طریقے سے ایمان نہ رکھتے ہوں۔نہ آخرت اور اپنے نبی پر ایمان کا کچھ حصہ رکھتے ہوں۔
یہود کا یہ گمان بالکل غلط اور خالص جہالت ہے۔قرآن جو کتب سابقہ کی تصدیق ونگہبانی کرنے والا اور ان کے مواقع اشتباہ واشکال کو واضح کرنے والا ہے، اس نے یہود کے اس فاسد خیال کی حقیقت کو اس طرح واشگاف فرمادیا ہے:

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۸۱)

ہاں! کیوں نہیں؟ جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اسے گھیر لے، وہ دوزخ والوں میں ہے۔جنہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔
❷ ہر مِلّت کے احکام اس زمانہ کے مصالح کے مطابق ہیں۔تشریع امور میں اس عہد کے لوگوں کی اچھی

عادات وروایات کی رعایت اور انھیں اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ اس ملت کے لئے ان شرعی احکام پر یقین و عمل کرتے رہنے اور حق ان میں منحصر سمجھنے کا حکم بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں حق انھیں میں منحصر ہے اس لئے اسے ماننے کے ساتھ اس پر استمرار اور دوام اس ملت کے لئے لازم ہے۔

یہ حکم ادامت (ہمیشگی کا حکم) ادامتِ ظاہری ہے، ادامتِ حقیقی نہیں ہے۔ یعنی یہ حکم اس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ کوئی دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اور اس کے رُوئے رسالت کا پردہ نہ اُٹھے۔

لیکن یہود نے اس حکمِ ادامت سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب نسخ یہودیت ممکن نہیں ہے۔ یہودیت پر قائم رہنے کی ہدایت کا مطلب تو فی الحقیقت یہ تھا کہ وہ ایمان باللہ اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہیں۔ اس سے خود یہ ملت یہودیت مراد نہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہ قائم اور باقی رہے گی۔ لیکن یہود نے اسی ملت کا اعتبار کر کے یہ گمان کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنی اولاد کو اسی یہودیت پر ہمیشہ قائم رہنے کی ہدایت و وصیت فرمائی ہے۔

۳ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ملت کے انبیائے کرام اور ان کے متبعین کو مقرّب و محبوب لقب سے نوازا ہے اور منکرینِ ملت کو مبغوض قرار دے کر ان کی مذمّت فرمائی ہے۔ ہر قوم کے درمیان اس باب کے رائج الفاظ کے ساتھ اس نے انھیں خطاب فرمایا ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ "اَحِبَّاء" کی جگہ لفظِ "اَبنَاء" سے اللہ تعالیٰ نے یہود کو خطاب کیا ہو اور وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ یہ شرف یہودی و عبرانی و اسرائیلی نام کے درمیان ہی دائر اور انھیں کے لیے مخصوص ہے۔

وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اطاعت شعاری و فرماں برداری اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہنے کی صفات جن کے لیے بعثتِ انبیا ہوئی ہے، انھیں صفات کے ساتھ یہ لفظ خاص ہے۔ اس کے علاوہ کے لئے نہیں۔

طرح طرح کے مزعومات و تاویلاتِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ یہود کے ذہنوں میں راسخ ہو گئے تھے، جنہیں انھوں نے اپنے آباواجداد سے میراث میں پایا اور سیکھا تھا۔ یہود کے ایسے سارے ظنون واوہام کو قرآنِ عظیم نے مکمل طور پر رد فرمادیا۔

کتمانِ آیاتِ توریت

یہود اپنے کسی معزز فرد کی عزت و جاہ کے تحفظ یا کسی مرتبہ اور سرداری کی طلب میں بعض احکام و آیاتِ توریت کو عوام سے چھپاتے تھے تاکہ عوام کے اِحتساب و مواخذہ کی وجہ سے ان کے ساتھ عوامی عقیدت کم یا ختم نہ ہو اور ان آیات پر عمل نہ کرنے کی پاداش میں عوام انھیں ملامت اور ان کی مذمّت نہ کرنے لگیں۔

کتمانِ آیات کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱ توریت کے اندر صراحت کے ساتھ یہ حکم وارد ہے کہ زانی کو سنگ سار کر دیا جائے۔ لیکن یہودی مذہبی پیشواؤں نے اس حکمِ توریت کو متفقہ طور پر پس پشت ڈال کر یہ طے کر لیا کہ سنگ ساری کی جگہ زانی کو کوڑے مارنے اور اس کا منہ کالا کرنے کا طریقہ رائج کیا جائے۔ چنانچہ اس پر وہ عمل کیا کرتے تھے اور اپنی رسوائی کے خوف سے یہودیوں کے مذہبی پیشوا توریت کی آیتِ رَجم (سنگ ساری سے متعلق آیت) کو چھپایا کرتے تھے۔

۲ وہ آیاتِ توریت جن میں حضرت ہاجرہ و حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کو ان کی اولاد میں ایک ایسے

نبی کی بعثت کی بشارت اور ایک مِلّت کے وجود پذیر ہونے کا اشارہ دیا گیا ہے جو سرزمینِ حجاز میں ظاہر ہو کر ہر طرف پھیل جائے گی، اور اس کے تَلْبِیہ سے عرفات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں گی، تمام بلاد واَمصار سے اس مِلّت کے افراد وہاں کا قصد اور سفر کریں گے، وہ آیات تا حال توریت میں موجود ہیں مگر یہود اِن آیات کی یہ فاسد تاویل کرتے ہیں کہ ان کے اندر اس مِلّت کے صِرف وجود کی خبر ہے۔ اسے اپنا کر اس کی پیروی کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور اَحبارِ یہود بار بار یہ مقولہ دُہرایا کرتے تھے: مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ عَلَيْنَا۔ ہم پر ایک جنگ مسلّط اور لازم کردی گئی ہے۔

چوں کہ یہ کمزور تاویل سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا نہ اسے کوئی صحیح مانتا اس لیے وہ آپس میں اس کی تاکید کرتے تھے کہ ان آیات کو چھپا کر رکھا جائے اور انھیں ہر خاص وعام پر ظاہر نہ کیا جائے۔ ان کا اظہار ہمارے لیے ناجائز ہے۔ یہود کا یہ خیال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ اَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (سورۃ البقرہ:۷۶)

وہ علم جسے اللہ نے تم پر کھولا ہے، مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمھیں پر حُجت لائیں؟ کیا تمہیں عقل نہیں؟

یہود کتنے جاہل ہیں۔ اس مبالغہ کے ساتھ حضرت ہاجرہ وحضرت اسمٰعیل عَلَيْهِمَا السَّلام پر اللہ نے جو احسان جتایا ہے اور اس امت کا اتنے شرف وفضیلت کے ساتھ جو ذکر فرمایا ہے، کیا اس کے اندر اس کا بھی کوئی احتمال ہے کہ اس ملت کو ماننے پر اسے محمول نہ کیا جاسکے؟ اور اس کا دین اپنانے کی کوئی ترغیب وتحریص اس کے اندر نہیں ہے؟

سُبْحٰنَكَ هٰذَا اِفْكٌ عَظِيْمٌ۔

اِفترا ءات ومَزعُومات یہود

یہود اپنے مذہب کے اندر اِفترا کرتے اور خود ساختہ باتیں شامل کرلیا کرتے تھے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ ان کے اَحبار ورُہبان کے اندر مذہبی تعمق وتشدد پیدا ہوگیا تھا۔ اور وہ کسی نَصِ شارع کے بغیر محض اپنی مصلحت کی بنیاد پر اِستحسان یعنی بعض احکام ومسائل کا استنباط کرلیا کرتے تھے۔ کسی بات پر اپنے اسلاف کے اتفاق کر لینے کو وہ حُجتِ قطعی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے پاس اپنے اسلاف کے اقوال کے سوا حضرت عیسیٰ علیہِ السَّلام کی نبوت کے اِنکار کی کوئی دوسری دلیلِ استناد نہیں تھی۔ یہی حال ان کے بہت سے مزعومات واَقوال کا ہے۔

احکامِ شریعت کی تنفیذ میں یہود بہت تساہل برتتے تھے اور بخل وحرص میں مبتلا تھے۔ جو ظاہر ہے کہ ان کے اُس نفسِ اَمّارہ کا تقاضا تھا جو ہر انسان پر غالب ہوجاتا ہے سوائے اُن کے جنھیں اللہ محفوظ رکھنا چاہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ (سورۂ یوسف:۵۳)

بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

یہ بُری خصلت ان اہلِ کتاب میں ایک دوسرا ہی رنگ اختیار کر چکی تھی کہ وہ اپنی فاسد تاویل کے ذریعہ اسے صحیح ٹھہرانے کی کوشش کرتے تھے اور اسے مذہبی رنگ میں ظاہر کیا کرتے تھے۔

رسالتِ محمدی کا انکار

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو یہود مستبعد اور نا قابلِ یقین سمجھتے تھے۔ جس کے اسباب یہ ہیں:

انبیائے کرام علیہم السّلام کے احوال و عادات، نکاح کے سلسلے میں الگ الگ تھے۔ کوئی کم نکاح کرتا اور کوئی زیادہ نکاح کرتا تھا۔ نیز اس طرح کے دوسرے معاملات میں، انبیا کی شریعتیں مختلف تھیں۔ ان کے بارے میں سنتِ الٰہی بھی مختلف تھی۔ جمہور انبیا بنی اسرائیل کے تھے اور انھیں کے درمیان مبعوث ہوئے تھے۔ جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل کے تھے۔ اسی طرح کے دوسرے اسباب سے یہود نے رسالتِ محمدی کا انکار کیا۔

اس مسئلہ میں اصل حقیقت یہ ہے کہ نبوت و رسالت کا فریضہ اصلاحِ نفوس اور درستگی عادات و عبادات سے متعلق ہے۔ نہ یہ کہ وہ نیکی اور گناہ کے جدید اصول وضع کرے۔

(زمانۂ ختمِ نبوت سے پہلے کی تاریخ اور روایت کے مطابق) ہر قوم عبادت وتدبیر منزل و سیاستِ مدنیہ کی کچھ اپنی عادت و روایت رکھتی ہے اور اس کے درمیان جب بعثتِ نبوت ہوتی ہے تو وہ ان عادات و روایات کو یکسر ختم نہیں کر دیتی ہے اور نہ ہی وہ بالکل نئی عادات و روایات ان کے درمیان رائج کرتی ہے بلکہ نبی مبعوث انھیں دیکھ سُن کر اور ان کی جانچ پرکھ کر کے جو چیزیں حسب ضابطۂ شرعیہ درست اور مرضی الٰہی کے مطابق ہوتی ہیں انھیں باقی رکھتے ہیں اور جو ان کے برعکس ہوں ان کے اندر بقدرِ ضرورت تغیر و اصلاح فرما دیتے ہیں۔ تذکیر بآلاءِ اللّٰہ و ایّام اللّٰہ۔ کہ لوگ جن سے آشنا اور مانوس ہوتے ہیں، ان کے بارے میں بھی یہی نہج اور طریقہ وہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے انبیائے کرام کی شریعتیں مختلف ہوتی رہی ہیں۔

یہ اختلافِ شرائع طبیبوں کے مختلف نسخوں کی طرح ہے کہ جب وہ مریضوں کی تشخیص اور ان کے مرض و علاج کے معاملے میں غور و فکر کر لیتے ہیں تو کسی کو ٹھنڈی دوا و غذا اور کسی کو گرم دوا و غذا تجویز کرتے ہیں۔ دو مختلف دوا و غذا کی تجویز سے طبیب کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ مریضوں کے مزاج کی اصلاح ہو اور ان کے اندر پائے جانے والا فاسد مادہ زائل ہو جائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر علاقہ کے مریضوں کے لیے طبیب الگ الگ دوا و غذا تجویز کرے جو اس علاقے کے باشندوں کو راس آئیں۔ یوں ہی ہر موسم میں طبائع کی مناسبت سے مختلف علاج تجویز کرتا ہے۔

اس مثال سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ حکیم مطلق و طبیب حقیقی جلّ مَجدُہ جب رُوحانی و اخلاقی مریضوں کے نفس و طبع اور مزاج و ضعف کا علاج، ان کے اندر موجود فاسد مادہ کا ازالہ، اور ان کی قوت و ملکہ کی تقویت چاہتا ہے تو ہر زمانہ کی اقوام کی متنوع عاداتِ مرّوجہ و مسلّماتِ مشہورہ کے مطابق مناسب، و مفید علاج اور طریقۂ اصلاح تجویز فرماتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر یہود کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو علماے سُو کو دیکھ لیں جو دنیا کے طالب، اپنے آبا کی بے جا عادات و روایات کے حامی نُصوصِ کتاب و سنت سے گریزاں، اور کسی عالم کے تعمق و تشدد یا اس کے استحسان کو سند بنا کر کلام و سنتِ شارع معصوم علیہ السّلام سے بے نیاز و بے پروا ہو چکے ہیں۔ موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو اپنا رہنما اور مقتدا بنا چکے ہیں۔ گویا یہ علماے سُو وہی اَحبارِ یہود ہیں۔

تذکرۂ نصاریٰ

نصاریٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ (مگر بعد میں) ان کے اندر یہ چند گمراہیاں پیدا ہو گئیں۔ نصاریٰ کہنے لگے کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ کے تین اَجزا ہیں۔ جن میں ایک اعتبار سے وحدت اور دوسرے اعتبار سے مغایَرت ہے۔

ان تینوں اَجزا کو وہ "اَقَانِیمِ ثلثہ" کہتے تھے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق تینوں اَجز ا اِس طرح ہیں:

① باپ: جو مبدأ عالم کے بالمقابل ہے۔

② بیٹا: جو صادرِ اول کے بالمقابل ہے۔ اور صادرِ اول سارے موجوداتِ عالم کو شامل ہے۔

③ روح القدس: جو عقولِ مجرّدہ کے بالمقابل ہے۔

نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ اقنومِ ابن، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی روح کے لبادہ میں تھا، جس طرح حضرت جبریل علیہ السّلام کبھی انسانی شکل وصورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی طرح اقنومِ ابن، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی روح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اِس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اللہ اور اس کے بیٹے بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ ان پر بیک وقت بشری و الٰہی احکام دونوں جاری ہوتے ہیں۔ (معاذَاللّٰہِ رَبِّ العالَمِین)

بعض آیاتِ انجیل سے وہ اس باب میں اِستدلال کرتے تھے جن میں لفظِ ابن وارد ہے۔ اسی طرح وہ بعض آیات جن میں بعض افعالِ الٰہی کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف ہے، ان سے بھی اِستدلال کرتے تھے۔

پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جن آیاتِ انجیل میں لفظِ ابن وارد ہے وہ صحیح اور اصل حالت میں ہیں اور محرَّف نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

عہدِ قدیم میں لفظِ ابن محبوب ومقرَّب اور منتخب کے معنی میں مستعمل تھا جس کے بہت سے قرائن خود انجیل کے اندر موجود ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطورِ حکایت ہے۔ جیسے بادشاہ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم نے فلاں شہر فتح کیا۔ اور ہم نے فلاں قلعہ زمیں بوس کردیا۔ جب کہ درحقیقت یہ کارنامہ بادشاہ کا ہوتا ہے۔ اور اصل نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے۔ یہ قاصد بادشاہ کا محض ایک قاصد ہوتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر ایسی وحی عالمِ بالا سے نازل ہوئی ہو جو اُن کے لوحِ قلب پر نقش ہوگئی ہو۔ اور یہ وحی اس طور پر نہ آئی ہو کہ حضرت جبریل علیہ السّلام انسانی شکل وصورت میں ظاہر ہو کر کلامِ ربانی پیش کریں۔

لوحِ قلب کے اس نقش کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ ان کی زبان پر وہ کلام جاری ہوا جس میں ان افعال کی نسبت خود حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف ہوئی ہو۔ والحَقِیقَۃُ غیرُ خَفِیَّۃٍ۔ (ظاہر ہے کہ یہ نسبت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے)

مختصر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات اور خیال ومذہب کو رد فرماتے ہوئے واضح کردیا کہ عیسیٰ صرف عبدُ اللّٰہ وبندۂ خدا اور روحِ پاک ہیں جنھیں مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا گیا اور روح القدس (حضرت جبریل) کے

ذریعہ اللہ نے ان کی تائید فرمائی۔ اور اپنی عنایتِ خاص سے اس نے ان کی حفاظت ونگہبانی فرمائی۔

بفرضِ محالِ قطعی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی روح جو دیگر اَرواح کی طرح ایک روح ہے اس کے ساتھ لباسِ بشری میں ظہور فرمایا ہوتا تب بھی تحقیق اور گہری بصیرت کی روشنی میں لفظ ''اِتحاد'' کا اطلاق اس مفہوم ومعنی میں نہیں ہو سکتا جس کے نصاریٰ قائل ہیں۔ اِلاّ بتَسامُح۔ ہاں تقویم جیسے الفاظ اس مفہوم کے قریب تر ہوسکتے ہیں۔

تَعالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْراً۔

اگر عہدِ حاضر میں اس گروہِ نصاریٰ کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو (بے علم وعمل ناخلف) اولادِ مشائخ واولیا کو دیکھ لیجیے کہ وہ اپنے آباواسلاف کے بارے میں کیسے کیسے ظنون واوہام کا شکار ہیں اور انھیں کہاں سے کہاں تک پہنچاتے ہیں۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (سورہ شعراء: ۲۲۷)

اوراب جان ہی لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔

نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام شہید کردیے گئے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں نصاریٰ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام کے اٹھائے جانے کو وہ قتل سمجھ بیٹھے اور نسلاً بعد نسلٍ وہ اپنی یہ غلط روایت نقل کرتے رہے۔ ان کی اس غلط فہمی کا اِزالہ اور اصل حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (سورۂ نساء: ۱۵۷)

اور نہ انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ کا ایک شخص ان کے لیے بنادیا گیا۔

انجیل کے اندر اس باب میں جو قول حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام کی طرف منسوب ومذکور ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کردیا جائے کہ یہود بے جا جرأت کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کے قتل کی کوشش کریں گے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اس ہلاکت سے آپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

اس سلسلے میں حَواریوں کی بات بھی غلط فہمی کا نتیجہ اور آسمان پر اٹھائے جانے کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ کیوں کہ ایسی کوئی بات جاننے سننے سے ان کی عقل اور ان کے کان نا آشنا تھے۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ جس فارقلیط کی آمد کا وعدہ ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہی ہیں جو شہادت کے بعد حَواریوں کے سامنے ظاہر ہوئے اور انھیں انجیل کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی ہدایت دی۔

نصاریٰ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام نے انھیں ہدایت فرمائی ہے کہ نبوت کے بہت سے جھوٹے مدعی پیدا ہوں گے اس لئے جو میرا نام لے اس کی بات ماننا ورنہ مسترد کردینا۔

قرآنِ عظیم فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام کی بشارت، حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت پر نہیں بلکہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر منطبق ہے۔ کیوں کہ انجیل میں مذکور ہے کہ فارقلیط ایک طویل مدت تک تمھارے درمیان رہے گا اور وہ علم سکھائے گا، لوگوں کو پاک کرے گا۔ یہ بات ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ کسی اور پر صادق نہیں آتی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام کا نام لے کر آپ کے ذِکر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کی گئی

ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو اللہ یا اس کا بیٹا سمجھ لینا۔

تذکرۂ منافقین

منافقوں کی دو قسمیں تھیں:

ایک گروہ زبان سے کلمۂ ایمان ادا کرتا تھا اور اس کے دل کے اندر کفرِ خالص چھپا ہوا تھا۔صرف مسلمانوں کا دل رکھنے یا انھیں فریب دینے کے لئے وہ اظہارِ ایمان کیا کرتا تھا۔ایسے منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ (سورۂ نساء:۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبق میں ہیں۔

دوسرا گروہ، اسلام کے اندر اتنے ضعف وتزلزل کے ساتھ داخل ہوا کہ اپنی قوم کی عادات وروایات کا عادی رہا۔

اس گروہ کے لوگ اگر مسلمانوں کے درمیان ہوتے تو ان کی طرح ہوتے اور کافروں کے درمیان ہوتے تو ان کی طرح ہوتے۔

دنیاداری ان کے اوپر حاوی ہو کر ان کے دِلوں میں اتنی سرایت کر چکی تھی کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔مالی حرص، حسد، بغض وکینہ وغیرہ کا ان کے دل پر مکمل غلبہ تھا کہ حلاوتِ دُعا ومُناجات وبرکاتِ عبادات سے ان کے دل بالکل ناآشنا اور خالی تھے۔

مثلاً اُمورِ معاش میں وہ اتنے منہمک تھے کہ اُمورِ معاد کے اِہتمام اور ان کے بارے میں سوچنے کی انھیں فرصت ہی نہ ملتی تھی۔

ان کے دل میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلّٰی اللّٰہُ علیہ وسلّم کی نبوت ورسالت کے بارے میں بے ہودہ شکوک وشبہات اور طرح طرح کے لغو خیالات پیدا ہوتے تھے۔اگر چہ وہ اس حد تک نہیں پہنچے کہ اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال کر اس سے اپنے آپ کو بالکلیہ الگ ظاہر کر دیں۔ان کے اوہام وشکوک کا سبب پیغمبرِ اسلام صلّٰی اللّٰہ علیہ وسلّم پر بشری احکام کا جاری ہونا اور مختلف بلاد واَمصار میں غلبۂ ملوک وسلاطین کی طرح مِلّتِ اسلامیہ کا ظہور وعروج تھا۔وغیر ذالک مِنْ اَمثالِھا۔

مثلاً اپنے قبائل وعشائر کی محبت ان کے دل میں ایسی جَمی ہوئی تھی کہ ان کی نُصرت وحمایت اور تائید وتقویت کی وہ بھرپور کوشش کرتے۔خواہ یہ کوشش مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور مسلمانوں سے انھیں اِحتراز ومقابلہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

نِفاق کی یہ دوسری قسم نفاقِ اخلاق وعمل ہے۔اس کی پہلی قسم (اعتقادی نفاق) کا جاننا رسول اکرم صلّٰی اللّٰہُ علیہ وسلّم کے بعد اب ممکن نہیں ہے۔کیوں کہ یہ اَزقبیلِ علمِ غیب ہے۔اور دل کی پوشیدہ بات پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ دوسری قسم کا وجود بکثرت ملتا ہے۔بالخصوص ہمارے زمانے میں یہ بہت زیادہ ہے۔حدیثِ نبوی کے اندر اس نِفاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس شخص میں یہ چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے:

جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔جب معاہدہ کرے تو

عہد شکنی کرے۔ جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

اور یہ حدیث بھی ہے کہ منافق کی ساری توجہ اپنے پیٹ کی طرف ہوتی ہے اور مومن اپنے گھوڑے پر (امر بالمعروف ونہی عن المنکر وتبلیغ ودعوت وجہاد کی راہ میں) توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ اس طرح کی دوسری احادیث بھی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں منافقوں کے اعمال وعیوب واضح کردیے ہیں۔ اور دونوں طرح کے منافقوں کے حالات میں سے بہت ساری چیزیں بیان کردی ہیں تاکہ امت مسلمہ ان منافقوں سے دور رہے۔

ان منافقوں کا نمونہ دیکھنا ہے تو امراء وحکام کی مجلس میں جا کر ان کے مصاحبوں اور ہم نشینوں کو دیکھیے کہ وہ اپنے امراء وحکام کی رضامندی کو رضائے شارع پر کس طرح ترجیح دیتے ہیں؟

انصاف کی بات یہ ہے کہ جن منافقوں نے براہ راست کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بھی نفاق کا راستہ اختیار کیا اور آج جو لوگ منافقت کررہے ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی حکم شارع کے یقینی علم کے باوجود اس سے روگردانی اور اس کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔

معقولیوں کا بھی ایک گروہ ایسا ہی ہے جس کے دل بہت سے شکوک وشبہات کی آماج گاہ ہیں۔ اور اس نے آخرت کو فراموش کررکھا ہے۔

بہر حال! مطالعۂ قرآن کے وقت یہ نہ سمجھے کہ جدل ومخاصمہ صرف ماضی کے لوگوں کے ساتھ مختص ہے۔ بلکہ گذشتہ زمانے کی ہر بلا وفتنہ کا نمونہ آج بھی موجود ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں صراحت ہے کہ:

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ تم پہلے کے لوگوں کا طور وطریقہ ضرور اپناؤ گے۔

قرآن حکیم کا مقصود مخصوص واقعات بیان کرنا نہیں بلکہ مفاسد سے متعلق کلیات بیان کرنا ہے۔

اس کتاب میں فرق ضالہ کے جو عقائد وخیالات بیان کیے گئے اور ان کے جوابات دیے گئے ہیں وہ آیات مخاصمہ کے معانی ومطالب سمجھنے کے لئے إن شاء الله کافی ثابت ہوں گے۔

فصلِ ثانی

علومِ خمسہ کے باقی مباحث

قرآن حکیم ہر طرح کے انسان خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، شہری ہوں یا دیہاتی اور خانہ بدوش وغیرہ سب کی ہدایت واصلاح کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لئے حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ تذکیر بالاء اللہ (اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی) میں زیادہ بحث وتحقیق نہ ہو اور جتنی بات عام انسان جان اور سمجھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ گفتگو نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماء وصفات الٰہی اس طرز پر بیان کیے گئے ہیں کہ عام انسان بھی اپنے فطری علم وفہم اور ذکاوت وذہانت کے ذریعہ انھیں سمجھ سکے اور اسے فلسفۂ الٰہیات وعلم کلام کی کسی ممارست ومہارت کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجمالی طور پر ذاتِ مبدأ کائنات کو ثابت فرمایا جس کا شعور دنیا کی ہر صالح انسانی آبادی اور اعتدال سے قریب جگہوں کے باشندوں کی فطرت میں موجود ہے اور ذاتِ واجبُ الوجود کے منکر گروہ وہاں نہیں ملیں گے۔ چوں کہ تحقیق و دقتِ نظر کے ساتھ ایسے لوگوں کے لئے اثباتِ صفاتِ باری بہت مشکل تھا۔ اور اگر اصلاً صفاتِ الٰہی پر مطلع نہ ہوں تو معرفتِ ربوبیت جو اصلاح وتہذیبِ نفوس کے لئے سب سے ضروری اور مفید امر ہے وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے حکمتِ الٰہی اس تدبیر کی مقتضی ہوئی کہ بشری صفاتِ کاملہ جن سے لوگ واقف ہیں اور جن کی تعریف وستائش کرتے ہیں، ان صفاتِ کاملہ کا ہی انتخاب اور ان کا ذکر فرمایا۔ اور دقیق معانی جن کے جلال وعظمت کے میدان میں عقلِ انسانی کو کسی طرح کا دخل نہیں ان کے مقابلہ میں بشری صفاتِ کاملہ کا ذکر فرمایا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (سورہ شوریٰ:۱۱) اس جیسا کوئی نہیں۔

اس ارشاد کے اندر یہی ضابطہ اور نکتہ موجود ہے جو جہلِ مرکّب کی بیماری کے لئے تریاق ہے۔ اور وہ بشری صفات جن سے وہ پاک ومنزّہ ہے اور جن کے ذکر سے عقائدِ باطلہ کی طرف کوئی راہ ملے اور لوگ مبتلائے اوہام وشکوک ہو جائیں، ان سب سے اس نے روک دیا۔ جیسے اولاد، بُکا، جوع وفزع وغیرہ کی اس کی جانب نسبت، جن سے اس کی ذات بالاتر ہے۔

اگر آپ غور وفکر کریں گے تو واضح ہو جائے گا کہ وَہبی اور فطری انسانی فہم وشعور کی متعین شاہراہ اور جن صفاتِ باری تعالیٰ کا اِدراک وامتیاز عام انسانی اَذہان وعقول بلا اختلاف واشکال کر سکتے ہیں، ان کی راہ اختیار کرنے میں کتنی آسانی وسہولت اور دیگر صفات جو انسانی فہم وشعور کے لئے تشویش واضطراب، امتحان وآزمائش اور طرح طرح کے ظنون واوہام باطلہ کا سبب بنیں ان میں کتنا حرج ودقّت ہے؟ اور دونوں طریقوں کا فرق سمجھنا عام انسانی اذہان کے لئے نہایت مشکل اَمر ہے۔ اس لئے ان صفاتِ باری تعالیٰ کو توقیفی قرار دے کر ان کے اندر آزادانہ قیل وقال اور بحث وتکرار کو ممنوع فرما دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتوں اور نعمتوں میں سے انھیں کا انتخاب فرمایا جنھیں عربی وعجمی اور شہری ودیہاتی سب یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ اسی لئے اس نے ان روحانی نعمتوں کا ذکر نہیں فرمایا جو اَولیا وعلما کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نہ ہی ان مادّی نعمتوں کی خبر وآگاہی دی جو مُلوک وسلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ ان نعمتوں کو اس نے بیان فرمایا جن کا تذکرہ سب کے لئے مفید ومناسب ہے۔ جیسے زمین وآسمان کا پیدا کرنا، بادل سے بارش برسانا، زمین سے چشمے جاری کرنا، پانی سے طرح طرح کے پھل، غلّے اور پھول اُگانا، ضروری صنعت وحرفت کا شعور وصلاحیت انسان کے اندر پیدا کرنا اور انھیں کرتے رہنے کی اسے قوت وطاقت عطا فرمانا۔

اسی طرح کثیرُ الوقوع نفسانی اَمراض کی وضاحت کر کے اس نے تنبیہ فرمائی ہے کہ انسانوں پر جب مصیبت نازل ہوتی ہے اور جب وہ ٹل جاتی ہے تو ہر دو حال میں ان کی کیفیات اور احساسات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن ایام وواقعات میں فرماں برداروں کو انعام دیا اور نافرمانوں کو سزا دی ہے ان میں سے انھیں کا انتخاب فرمایا جو لوگوں نے پہلے سے سن رکھے تھے اور اجمالی طور پر ان سے واقف تھے۔ جیسے واقعاتِ قومِ نوح وقومِ عاد وثمود جنھیں اہلِ عرب نے باپ دادا سے سن رکھا تھا۔ اور وہ واقعات حضرت ابراہیم علیہ السّلام

وہ واقعاتِ انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السّلام جن سے یہودیوں سے طویل اختلاط کے سبب اہلِ عرب واقف تھے۔ نادر و غیر مانوس واقعات اور ایران و ہند کے محاربات وہ واقعات اس نے بیان نہیں کیے۔

مشہور واقعات میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ حصے اور جامع امور کا انتخاب فرمایا ہے جو لوگوں کے لئے بطور تذکیر و ہدایت کام آئیں۔ تمام لوازم و خصوصیات کے ساتھ مکمل واقعات اس نے نہیں بیان کیے ہیں۔

یہ طرز اپنانے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ: جب عوام کوئی نہایت نادر واقعہ سنتے ہیں یا کوئی واقعہ اپنی خصوصیات وتفصیلات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کیا جاتا ہے تو ان کی ساری توجہ واقعہ سننے ہی کی طرف مرتکز ہو جاتی ہے اور پند و موعظت جو بیانِ واقعہ کی غرض و غایت ہے، اس سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

اسی سے ملتی جلتی وہ بات ہے جو کسی عارف نے کہی ہے کہ قواعدِ تجوید یاد کرنے میں جب لوگوں کا انہماک بڑھا تو تلاوتِ قرآنِ حکیم میں خشوع سے لوگ غافل ہو گئے۔ اور تفسیرِ قرآن میں وجوہ و احتمالاتِ بعیدہ جب سے مفسرین نے بیان کرنا شروع کیا اس وقت سے فنِ تفسیر نادر و کالمعدوم ہو گیا۔

قرآنِ حکیم میں جو واقعات بار بار بیان کیے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:

مٹی سے حضرت آدم کی تخلیق، حضرت آدم کو سجدۂ ملائکہ، شیطان کا انکار و استکبار، شیطان پر غضب ولعنتِ الٰہی، بعد ازاں بنی آدم کو گمراہ کرتے رہنے کی شیطانی کوشش۔

حضرت نوح وہود وصالح وابراہیم ولوط وشعیب علیہم السّلام کا اپنی اقوام وقبائل کے ساتھ بابِ توحید وأمر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بحث ومخاصمہ، ان اقوام کی سرکشی اور پیش کردہ لغو شبہات وسوالات اور انبیاءِ کرام کے جوابات، عقوبتِ الٰہی میں بدبخت لوگوں کا ابتلا، انبیا اور ان کے متبعین کے لئے نصرتِ الٰہی کا ظہور۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ فرعون اور بنی اسرئیل کے احمقوں کے معاملات، اس گروہِ اشقیا وشُقھا کا حضرت موسیٰ کے ساتھ عناد ومکابرہ، ان کے لئے عقوبت اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لئے بار بار نصرتِ الٰہی کا ظہور۔

حضرت داؤد وحضرت سلیمان علیہما السّلام کے معاملات اور ان کے معجزات۔

حضرت ایوب وحضرت یونس علیہما السّلام کی آزمائش اور ان کے لئے رحمتِ الٰہی کا ظہور۔

حضرت زکریا علیہ السّلام کی دُعا اور اس کی مقبولیت۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بغیر باپ کے ولادت، گہوارے میں گفتگو، معجزات کا ظہور۔

مذکورہ واقعات، قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں ان کے اسلوب کے مطابق کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔ اور ایسے واقعات جو صرف ایک دو جگہ مذکور ہیں، وہ یہ ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السّلام کے اٹھائے جانے کا واقعہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا نمرود سے مناظرہ، پرندوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ، اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی قربانی کا واقعہ۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کا واقعہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ولادت، سمندر میں آپ کو ڈالے جانے، آپ کے ہاتھوں ایک مصری قبطی کے

قتل، مدین کی طرف آپ کے سفر، مدین میں آپ کی شادی، درخت پر آگ دیکھنے اور درخت سے کلام الٰہی سننے کے واقعات۔

گائے ذبح کیے جانے کا واقعہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السّلام کے ساتھ۔

طالوت و جالوت کا واقعہ۔ بلقیس (ملکہ سبا) کا واقعہ۔ ذوالقرنین کا واقعہ۔ اصحاب کہف کا واقعہ۔

باہم گفتگو و مباحثہ کرنے والے دو آدمیوں کا واقعہ۔ (سورۂ کہف میں)

باغ والوں کا واقعہ۔ (سورۂ ن، والقلم)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے دعوت دین کے لئے بھیجے گئے تین قاصدوں کا واقعہ۔ اور اس مومن کا واقعہ جسے کافروں نے شہید کر دیا۔ (سورۂ یٰس)

اصحاب فیل کا واقعہ۔

قرآن حکیم میں ان واقعات کے بیان کیے جانے کا مقصد محض ان واقعات کا ذکر و بیان نہیں بلکہ اصل مقصد ان کے سننے پڑھنے والوں کو یہ ذہن دینا اور بتانا ہے کہ شرک و معصیت نہایت شنیع و قبیح چیزیں ہیں جن کا ارتکاب کرنے والے مستحق عقوبت ہیں۔ اور اہلِ ایمان و اخلاص کو اطمینانِ قلب پہنچانا ہے کہ ان کے لئے نصرت و عنایتِ الٰہی کا ظہور ہوگا۔

تذکیر بالموت و مابعدَ الموت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے موت اور مابعدِ موت کی جو چیزیں بیان فرمائی ہیں، وہ یہ ہیں:

موت کے وقت مرنے والے انسان کی کیفیت، حالتِ نزع کی بے بسی، موت کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے کے مناظر، جنت و دوزخ، ملائکۂ عذاب کا ظہور۔

قربِ قیامت اور قیامت کی یہ نشانیاں اس نے بیان کیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول، دجال کا خروج، دابۃ الارض کا خروج، یاجوج و ماجوج کا خروج، نفخۂ اولیٰ نفخۂ ثانیہ، حشر و نشر، سوال و جواب، میزانِ عمل، دائیں اور بائیں ہاتھ کے اعمال نامے۔

پھر جنت میں اہلِ ایمان کا داخلہ، جہنم میں کافروں کا داخلہ، کافر پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا جہنم میں ایک دوسرے سے مباحثہ و تکرار اور ایک دوسرے پر لعنت و ملامت، جنت میں اہلِ ایمان کا دیدارِ الٰہی ـــ زنجیر، ہتھکڑی، کھولتے ہوئے گرم پانی، بدبودار پیپ، اور کانٹوں بھرے تھوہڑ وغیرہ کے ذریعہ اہلِ جہنم کا عذاب ـــ حوروں، شاندار محلوں، نہروں، خوش ذائقہ کھانوں، ملائم کپڑوں، خوب صورت عورتوں، فرحت بخش و پاکیزہ مجلسوں سے آراستہ اہلِ جنت کی نعمتیں۔ قرآنِ حکیم کی مختلف سورتوں میں ان کے اسلوب کے مطابق اِجمال و تفصیل کے ساتھ یہ ساری چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

بیانِ علمِ احکام

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملّتِ حنفی کے ساتھ مبعوث ہوئے اس لئے ضروری ہوا کہ ملّتِ ابراہیمی حنفی کے شرعی احکام باقی رکھے جائیں اور اس کے بنیادی مسائل میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ سوائے اس کے کہ کسی عام حکم کی تخصیص کی جائے اور تعیین اوقات وتشریع حدود وغیرہ کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیئت جب یہ ہوئی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اہلِ عرب کی اور اہلِ عرب کے ذریعہ اہلِ عالم کی اصلاح وتہذیب ہو تو لازم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ کا مادّہ اہلِ عرب کے مراسم وعادات کے مطابق ہو۔

چنانچہ آپ جب ملّتِ حنیفیہ کے احکام اور مراسم وعادات عرب پر اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام جو بمنزلہ اصلاح وتہذیب ہیں، ان سب پر غور کریں تو ہر حکم کا سبب اور ہر امر ونہی کی مصلحت آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔ اور اس کی تفصیل طویل ہے۔

المختصر جب ملّتِ ابراہیمی حنفی کی عبادات یعنی طہارت وصلوٰۃ وصوم وزکوٰۃ وذکر الٰہی میں بہت زیادہ نقص وفتور پیدا ہو گیا تھا کیوں کہ انھیں انجام دینے میں لوگوں کی سستی تھی اور بہت سے لوگ ان عبادتوں سے ناواقف بھی تھے، اور اہل جاہلیت نے ان کے اندر تحریفات بھی کر دی تھیں، اس وقت قرآن حکیم نے سارے نقص وخلل کی پوری طرح اصلاح کی اور انھیں اچھی طرح درست وہموار کیا۔

تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدنیّہ کے اندر بھی مُضر رسمیں اور بہت ساری زیادتیاں وسرکشیاں راہ پا چکی تھیں۔ قرآنِ عظیم نے ان کے اصول منضبط ومرتب کیے اور ان کی تجدید وتوقیت کی۔ اس باب کی چھوٹی بڑی زیادتیاں بھی اس نے واضح کیں۔

قرآنِ حکیم نے مسائلِ صلوٰۃ بطریقِ اجمال ذکر کیے اور اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل، اذان وتعمیرِ مساجد وجماعت واوقاتِ صلوٰۃ کے ذریعہ فرمائی۔ مسائل زکوٰۃ قرآن حکیم نے اختصار کے ساتھ بیان کیا جس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

روزہ کا قرآن حکیم نے سورۂ بقرہ میں اور حج کا سورۂ حج میں ذکر کیا۔ جہاد کا سورۂ بقرہ اور سورۂ انفال اور مختلف مقامات میں ذکر کیا۔ حدود کا سورۂ مائدہ وسورۂ نور میں ذکر کیا۔ میراث کا سورۂ نساء میں، نکاح وطلاق کا سورۂ بقرہ وسورۂ نساء وسورۂ طلاق اور دیگر سورتوں میں ذکر کیا۔

قارئین نے جب وہ بات سمجھ لی جس کا فائدہ ساری اُمّت کو عام ہے تو ایک دوسری قسم کو بھی سمجھیں، جو یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی سوال پیش کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب قرآنِ عظیم کے ذریعہ دیتا۔

یا کسی واقعہ میں اہلِ ایمان اپنی جان ومال کی قربانی دیتے اور منافق اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں اس سے باز رہتے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتا اور منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے انھیں وعید سناتا۔

یا دشمنانِ اسلام پر فتح وغلبہ سے پہلے کوئی حادثہ ہوتا کہ اس کے ضرر سے اہلِ ایمان کے محفوظ رہنے کا کوئی واقعہ

پیش آتا تو اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان پر اپنا احسان جتاتا اور اپنی نعمت کی انھیں یاد دلاتا۔
یا ایسی کوئی حالت پیش آتی جس میں تنبیہ یا زجر یا تعریض یا ایما یا امر یا نہی کی ضرورت ہوتی تو اس باب میں اللہ تبارک وتعالیٰ آیاتِ قرآنی نازل فرماتا۔

اس قبیل کی جو باتیں ہیں ان میں ضروری ہے کہ مفسر قرآن متعلقہ واقعہ کو بطریقِ اجمال بیان کرے۔

قرآن حکیم میں تعریضات اور اشارے مختلف واقعات کے سلسلے میں وارد ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:
غزوۂ بدر کا واقعہ سورۂ انفال میں، غزوۂ اُحد سورۂ آلِ عمران میں، غزوۂ خندق سورۂ احزاب میں، صلح حدیبیہ سورۂ فتح میں، غزوۂ بنی النضیر سورۂ حشر میں ہے۔

فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کی ترغیب سورۂ براءت میں، حجۃ الوداع کا اشارہ سورۂ مائدہ میں، حضرت زینب سے نکاح کا اشارہ سورۂ احزاب میں، باندی کی حرمت[(1)] سورۂ تحریم میں ہے۔

قصہ افک سورۂ نور میں، تلاوتِ نبوی اور وفدِ جن کی سماعت کا ذکر سورۂ جن وسورۂ احقاف میں، ذکر مسجدِ ضرار سورۂ براءت میں، ذکر اسرا سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

اس قسم کی آیاتِ کریمہ بھی درحقیقت تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کے باب سے ہیں لیکن ان کے اندر جو تعریضات واشارات ہیں وہ متعلقہ واقعہ سُنے بغیر نہیں سمجھے جاسکتے اس لئے انھیں دیگر اقسام سے الگ کردیا گیا۔

بابِ ثانی

معانیِ نظمِ قرآن کے وُجوہِ خِفا

علمائے دورِ حاضر کے اَذہان، معانیِ نظمِ قرآن سمجھنے میں جو دشواری وپوشیدگی محسوس کرتے ہیں اُن کے اسباب ووجوہ کی نشان دہی اور واضح وروشن بیان کے ذریعہ خِفا اور پوشیدگی ودشواری کے اِزالہ کی اس باب میں کوشش کی گئی ہے۔

قرآنِ حکیم کا نزول خالص عربی زبان میں ہوا۔ اور اہلِ عرب اپنے فطری وجِبِلّی ذوق وسلیقہ کی مدد سے اس کے معنیِ منطوق ومدلول اور اس کی مراد ومفہوم کو (عموماً) سمجھ لیا کرتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ (سورۂ زخرف: آیت ۲)

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (سورۂ یوسف: ۲)

(۱) لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ کے تحت حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آنے والی کچھ گفتگو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے۔ سرکار نے اپنے اوپر کیا حرام کرلیا تھا؟ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے اپنی ام ولد حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ طبرانی کی دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ہے کہ اپنے اوپر شہد حرام کرلیا تھا۔ اس کی سند صحیح ہے اور صحیحین میں اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ ملاحظہ ہو لباب النقول فی اسباب النزول للامام السیوطی۔ مترجم

شارع کی مرضی ہے کہ متشابہات قرآن کی تاویل، حقائق صفاتِ الٰہی کی تعبیر، مُبہم امور کی تعیین، حکایات وقصص کی تفصیلات کے اِحاطہ اور اس طرح کے دیگر امور میں زیادہ غور وخوض نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس طرح کے بہت کم سوالات ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس باب کی مرفوع احادیث بھی بہت کم ہیں۔

جب یہ (اولین) طبقہ دنیا سے رخصت ہوا اور عجم سے خلط ملط بڑھا اور اصل زبان مُضمحل ومتروک ہونے لگی تو بعض مواقع پر فہمِ مراد میں لوگوں کو دشواری پیش آنے لگی جس کے نتیجہ میں لُغت ونحو کی چھان بین کی ضرورت پیش آئی۔ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر تفسیر کی کتابیں لکھی گئیں۔

ایسے حالات میں ضرورت محسوس ہوئی کہ مشکل مقامات کی اِجمالی وضاحت کی جائے اور ان کی مثالیں بھی پیش کی جائیں تا کہ غور وفکر کرتے وقت مفسرِ قرآن کے لئے زیادہ وضاحت کی حاجت نہ ہو اور تشریحِ مقامات میں اسے زیادہ محنت ودِقّت نہ اٹھانی پڑے۔

لفظ کی مراد نہ سمجھنے کے یہ متعدد اسباب ہیں:

کبھی لفظِ غریب (غیر مانوس ونادرُ الاستعمال لفظ) کے استعمال کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ جس کا حل یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور اہلِ معانی سے اس لفظِ غریب کا منقول معنیٰ بیان کیا جائے۔

کبھی ناسخ ومنسوخ نہ جاننے کی وجہ سے۔

کبھی سببِ نزول سے ناواقف ہونے کی وجہ سے۔

کبھی مضاف یا موصوف وغیرہ کے حذف کی وجہ سے۔

کبھی ایک چیز کو دوسری چیز سے یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے کی وجہ سے۔ کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنے کی وجہ سے۔ یا جمع کو مفرد یا مفرد کو جمع کی جگہ لانے سے۔ یا مخاطب کی جگہ غائب کا اسلوب اختیار کرنے کی وجہ سے۔

کبھی مقدم کی جگہ مؤخر یا مؤخر کی جگہ مقدم کا ذکر کرنے کی وجہ سے۔

کبھی انتشارِ ضمائر اور لفظِ واحد سے تعدُّدِ مُراد کی وجہ سے۔

کبھی تکرار و اِطناب کی وجہ سے۔

کبھی ایجاز واختصار کی وجہ سے۔

کبھی کنایہ وتعریض ومتشابہ ومجازِ عقلی کے استعمال کی وجہ سے فہمِ مراد میں دشواری پیش آتی ہے۔

لہذا یارانِ سعادت مند کو چاہیے کہ آغازِ مطالعہ وکلام میں ہی ان امور کی حقیقت اور ان کی کچھ مثالیں اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور تفصیل کی جگہ (ہماری اس کتاب کے اندر ذکر کردہ) رمز واشارہ پر اکتفا کریں۔

فصلِ اول

شرح غریب القرآن

مشکل کلمات اور غرائبُ القرآن کا سب سے بہتر حل اور وضاحت ترجمانُ القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عنہُما کی وہ صحیح روایات ہیں جو ابن ابی طلحہ [(۱)] کی سند سے مروی ہیں۔ جن پر امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں عام طور پر اعتماد کیا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس کی وہ روایات جو ضحاک [(۲)] کی سند سے مروی ہیں۔ اور وہ جوابات بھی جو آپ نے نافع بن اَزرق [(۳)] کے سوالات کے دیے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علومِ القرآن'' میں ان تینوں اسناد کا ذکر کیا ہے۔

پھر ائمہ تفسیر کی وہ روایات ہیں جنھیں امام بخاری نے غریب الفاظ کی تشریح میں نقل کیا ہے۔ پھر وہ روایات ہیں جنھیں دیگر مفسرینِ قرآن نے صحابہ وتابعین وتبع تابعین رِضوانُ اللّٰہِ تعالیٰ علیہِم اجمعین سے نقل کیا ہے۔

میں نے مناسب سمجھا کہ شرح غریب القرآن کو سببِ نزول کے ساتھ اپنے اس رسالہ کے بابِ خامس میں جمع کرکے اسے ایک مستقل رسالہ بنادوں تاکہ جو چاہے وہ اسے اس رسالہ کے ساتھ ملا کر رکھے اور جو چاہے اسے (فتحُ الخبیر بما لا بُدَّ مِن حِفظِہٖ فی علمِ التَّفسِیر) جدا کرکے رکھے۔

صحابہ وتابعینِ کرام کبھی لفظ کی تفسیر اس کے لازمِ معنیٰ سے کرتے ہیں۔ متأخر مفسرین، لُغت اور مواقعِ استعمال کی تحقیق کے وقت کبھی کبھی قدیم تفاسیر پر گرفت بھی کرتے ہیں۔ میں نے باب خامس کے اس رسالہ (فتحُ الخبیر) میں اسلاف کی تفاسیر کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔ ان تفاسیر پر کسی تنقید وتنقیح کا یہاں مناسب موقع ومقام نہیں۔

کیوں کہ: ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد۔

---

(۱) اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ زید بن سہل انصاری، ابو یحییٰ مدنی - ابن معین نے کہا: یہ ثقہ حجت ہیں۔ ابن سعد نے ان کی وفات سنہ۱۳۲ھ میں بتائی۔ مترجم

(۱) ضحاک بن مزاحم خراسانی، ہلالی مولاہم۔ سعید ابن جبیر نے فرمایا: حضرت ابن عباس سے ضحاک کی ملاقات نہیں۔ امام احمد، ابن معین اور ابوزرعہ نے انھیں ثقہ کہا۔ ابن حبان نے کہا: ان کی مرویات محلِ نظر ہیں، وہ تفسیر میں مشہور ہیں۔ ابونعیم نے ان کا سال وفات ۱۰۵ھ بتایا۔ مترجم

(۳) نافع بن ازرق حروری، سردارانِ خوارج سے ہے۔ فرقۂ ازارقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ جمادی الآخرہ ۶۵ھ میں قتل کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے معانی کلمات قرآن سے متعلق اس نے بہت سے سوالات کیے تھے، جن میں سے بیش تر الاتقان میں منقول ہیں۔ مترجم

فصلِ ثانی

معرفتِ ناسخ و منسوخ

ناسخ و منسوخ کی معرفت فنِ تفسیر کے مشکل مقامات سے ہے۔ جن کے بہت سے مباحث اور ان کے اندر بے شمار اختلافات ہیں۔ اس مشکل اور دشواری کی سب سے بڑی وجہ متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔

اس باب میں صحابۂ کرام و تابعینِ عظام رضوانُ اللّٰہِ علیہم اجمعین کے کلام کا مطالعہ اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد مجھ پر واضح ہوا کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنیٰ میں استعمال کرتے تھے۔ نسخ کا لغوی معنیٰ ہے: ایک شئی کی جگہ دوسری شئی لانا۔

صحابہ و تابعینِ کرام، نسخ کو اصولیوں کے اصطلاحی معنیٰ میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ جن کے نزدیک نسخ کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے:۔

آیت کے کسی وصف کو کسی دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا۔ خواہ یہ اِزالہ مندرجہ ذیل طریقوں میں کسی بھی طریقہ سے ہو:

اِنتہاے مدتِ عمل بیان کر کے ہو۔
یا کلام کے متبادِر معنیٰ کی جگہ کوئی غیر متبادِر معنیٰ مراد لینا ہو۔
یا قید کا اتفاقی ہونا بیان کر کے ہو۔
یا کسی عام کی تخصیص کی گئی ہو۔
یا منصوص اور بظاہر قیاس کردہ چیز کے درمیان فرق کی وجہ بیان کر کے ہو۔
یا کسی جاہلی رَسم کا اِزالہ کر کے ہو۔
یا شریعتِ سابقہ کا کوئی حکم اٹھا کر کے نسخ ہو۔

ان حضرات کے نزدیک نسخ کا باب بہت وسیع ہے جس میں عقل کی جولانی اور اختلاف کی گنجائش بھی بہت ہے۔ اسی لئے ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک جا پہنچی ہے۔ بلکہ آپ دِقّتِ نظر سے دیکھیں گے تو ایسی بے شمار آیات ملیں گی۔

متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ بالخصوص اس توجیہ کی روشنی میں جو ہم نے بیان کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''اَلاِتقان فی عُلومِ القرآن'' میں مناسب تفصیل کے ساتھ بعض عُلَما کے حوالہ سے وہی بات نقل کی ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اصطلاحِ متاخرین کے مطابق جسے منسوخ کہتے ہیں، ابوبکر ابن عربی[1] کی موافقت کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے ایسی منسوخ آیات کی تعداد نقد و تنقیح کے بعد

(۱) امام، حافظ حدیث، قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن عربی معافری، اندلسی، ولادت ۴۶۸ھ - وفات ۵۴۲ھ۔ ان کی کتاب تفسیر آیات الاحکام ایک عمدہ تصنیف ہے۔ مترجم۔

بیس (۲۰) شمار کی ہے۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ متاخر مفسرین کے نزدیک شیخ ابن العربی کی مطابقت میں منسوخ آیات کی تعداد تقریباً بیس (۲۰) ہے۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) کو ان بیس (۲۰) منسوخ آیات میں سے اکثر کے نسخ پر کلام ہے۔اس لئے علامہ سیوطی کی تحریر پر کچھ نقد ونظر کے ساتھ پیش کی جارہی ہے:

❶ سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ ہے : كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ۔(سورۂ بقرہ:۔آیت ۱۸۰) تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے۔

اس کے نسخ کے بارے میں ایک قول ہے کہ: آیتِ میراث سے،ایک قول ہے کہ: حدیث لاوصیۃ لِوَارِثٍ سے،ایک قول ہے کہ اجماع سے یہ آیت منسوخ ہے۔شیخ ابن العربی نے یہ اقوال نقل کیے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آیتِ مذکورہ،آیتِ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ (سورۂ نساء:۱۱) اللہ،تمہاری اولاد کے بارے میں تمھیں حکم دیتا ہے۔سے منسوخ ہے۔اورنسخ کی وضاحت حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے ہوتی ہے۔

❷ آیتِ کریمہ:۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔(سورۂ بقرہ:۱۸۴) اور جنھیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں،ایک مسکین کا کھانا۔(لفظی معنی: جنھیں اس کی طاقت ہو)

اس آیت کے بارے میں کہا گیا کہ: آیتِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔(سورۂ بقرہ:۱۸۵) تو تم میں سے جو شخص یہ مہینہ پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

سے منسوخ ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: آیتِ مذکورہ بالا منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔اور اس میں لا (لَايُطِيْقُوْنَهٗ) مقدّر اور پوشیدہ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک دوسری توجیہ ہے۔اور وہ یہ کہ: اس کا معنیٰ ہے وَعَلَى الذين يُطيقونَ الطَّعامَ فِدْيَةٌ هِيَ طعامُ مِسكينٍ۔جو لوگ کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہیں،ان کے ذمہ فدیہ ہے۔جو ایک مسکین کا کھانا ہے۔

اس میں اِضمار قبلَ الذِّکر ہے۔کیوں کہ وہ رتبہ میں مقدم ہے۔اور ضمیر کے مذکر لانے کی وجہ یہ ہے کہ فدیہ سے مراد طعام ہے اور طعام سے مراد صدقۂ فطر ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں صیام کے بعد صدقۂ فطر کا ذکر کیا ہے جیسا کہ اس سے آگے کی دوسری آیت کے آخر میں تکبیراتِ عید کا ذکر ہے۔(وہ آیت یہ ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔(سورۂ بقرہ:۱۸۵)

❸ آیتِ کریمہ:۔اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ۔(سورۂ بقرہ:۱۸۷) روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمھارے لئے حلال ہوا۔

ناسخ ہے اِس آیت کی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔(سورۂ بقرہ:۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض کیے گئے تھے۔

کیوں کہ جو احکام اگلوں پر فرض تھے اُن کی مطابقت اس آیت کا مقتضیٰ ہے۔سونے کے بعد کھانا پینا اور اپنی

بیویوں سے جماع کرنا اگلوں پر حرام تھا۔

شیخ ابن العربی نے اس نسخ کا ذکر کیا ہے اور ایک دوسرا قول بھی بیان کیا ہے کہ سنتِ نبوی سے یہ آیت منسوخ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کَمَا کُتِبَ کا مطلب صرف نفسِ وجوب کی تشبیہ ہے۔ اس لئے نسخ نہیں ہے۔ یہ صرف ان کے اس طریقے کو بدلنا ہے جو حکمِ شرع سے پہلے ان کے یہاں رائج تھا۔ اور ہم اس کی کوئی دلیل نہیں پاتے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے لئے وہ طریقہ مشروع کیا تھا۔ اور اگر مان لیا جائے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے مشروع کیا تھا تو بھی اس کا ثبوت سنتِ رسول ہی سے ہوگا۔

● آیتِ کریمہ:۔ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ۔ (سورۂ بقرہ:۲۱۷) تم سے پوچھ رہے ہیں، ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم۔

منسوخ ہے اس آیت سے۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً۔ (سورۂ توبہ:۳۶) اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو جیسا کہ وہ تم سے ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ اَخرجهُ ابنُ جرير عن عطاء بن ميسرة۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت، قتال کی حرمت پر نہیں بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ آیت علّت کو تسلیم کرتے ہوئے مانع کے اظہار کے طرز پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماہِ حرام میں قتال سخت گناہ ہے لیکن فتنہ پردازی اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے فتنہ کے مقابلے میں قتال جائز ہے۔ سیاقِ آیت سے یہ توجیہ ظاہر ہے۔ کما لا یخفٰی۔

● آیتِ کریمہ:۔ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعاً اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ۔ (سورۂ بقرہ:۲۴۰) اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں۔ سال بھر تک نان نفقہ دینے کی، بے نکالے۔

مذکورہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً۔ (سورۂ بقرہ:۲۳۴) اور تم میں جو مریں اور بیوائیں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

اور وصیت منسوخ ہے آیتِ میراث سے۔ اور سُکنیٰ ایک جماعت کے نزدیک باقی اور دوسروں کے نزدیک منسوخ ہے، حدیث لا سُکنیٰ کے ذریعہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آیتِ مذکورہ بالا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے۔ کما قالَ۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میت کے لئے وصیت کرنا مستحب یا جائز ہے۔ اور میت کی وصیت گھر میں رہنے کی ہو تب بھی گھر میں رہنا (عدت گذارنے والی) عورت پر واجب نہیں۔ ابن عباس کا یہی قول ہے۔ آیت سے یہ توجیہ ظاہر ہے۔

● آیتِ کریمہ:۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ (سورۂ بقرہ:۲۸۴) اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

منسوخ ہے اِس آیت سے:۔لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا۔(سورۂ بقرہ:۲۸۶)اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگراس کی طاقت بھر۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ تخصیصِ عام کے قبیل سے ہے جسے پچھلی آیت نے واضح کردیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ: تمھارے دلوں میں جواخلاص یانفاق ہے نہ کہ وہ خطرات اوروسوسے جن میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔کیوں کہ انسان کی وسعت میں جوکچھ ہوتا ہےاسی کا وہ مکلّف ہے۔

● آیتِ کریمہ:۔یٰاَیُّھاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران:۱۰۲)

اے ایمان والو!اللہ سے ڈروجیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

کہا گیا ہے کہ اِس آیت سے منسوخ ہے:۔فَاتَّقُوااللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔(سورۂ تغابن:۱۶) تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں بلکہ مُحکم ہے۔

اس آیت کے علاوہ اس سورت میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں نسخ کادعویٰ صحیح ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ حَقَّ تُقٰتِہٖ شرک وکفراوراعتقادیات کے بارے میں ہے۔اورمَااسْتَطَعْتُمْ کاتعلق اعمال سے ہے کہ جووضونہ کرسکے وہ تیمم کرےاورجوکھڑاہوکرنمازنہ پڑھ سکےوہ بیٹھ کرنمازپڑھے۔

سیاقِ آیت سے یہ توجیہ ظاہر ہے۔اوروہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہے۔

● آیتِ کریمہ:۔وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ۔(سورۂ نساء:۳۳) اورجن سے تمھاراحلف بندھ چکاانھیں ان کاحصہ دو۔

منسوخ ہے اِس آیت سے: وَاُولُواالْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ۔(سورۂ احزاب:۶)اوررشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ سورۂ نساء کی آیت کا ظاہر یہ ہے کہ مَوالی(وارثوں) کے لئے میراث اورمولیٰ الموالِی (عقدِ موالات قبول کرنے والے کے لئے) نیکی وصلہ رحمی ہے۔اس لئے آیتِ سورۂ نساء منسوخ نہیں ہے۔

● آیتِ کریمہ: وَاِذَا حَضَرَالْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ۔ (سورۂ نساء:۸)

پھر بانٹتے وقت رشتہ داراوریتیم اورمسکین آجائیں تواس میں سے انھیں بھی کچھ دو۔

اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ منسوخ ہے۔اورایک قول یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے۔لیکن اس پرعمل کرنے میں لوگ سستی کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت بقولِ ابنِ عباس محکم ہے۔اورامر استحبابی ہے۔یہی زیادہ ظاہر ہے۔

● آیتِ کریمہ:وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآءِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْاعَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ۔ (سورۂ نساء:۱۵)

اور تمھاری عورتوں میں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لو۔

منسوخ ہے اِس آیتِ کریمہ سے:۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (سورۂ نور:۲)

جو عورت اور مرد بدکار ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں نسخ نہیں ہے۔ بلکہ غایت (مقرّرہ حد) تک اس کا حکم دراز ہے۔ اور جب غایت پوری ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمادیا کہ وہ غایت (مقررہ حد) جس کا وعدہ ہے، وہ یہ ہے۔ اس لئے اس میں کوئی نسخ نہیں ہے۔

آیت کریمہ:۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ (سورۂ مائدہ:۲) اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہرالو اللہ کی نشانیاں اور نہ حرمت والے مہینے۔

منسوخ ہے اُس آیتِ قتال سے جس میں حکمِ اِباحت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآنِ حکیم کی کوئی آیت مجھے ایسی نہیں ملی جو اس کی ناسخ ہو۔ نہ ہی حدیثِ صحیح میں کوئی ایسی چیز ملتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ: حرام کیا ہوا قتال ماہِ حرام میں مزید سنگین ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک تمھارے خون اور تمھارے اَموال حرام ہیں۔ تمھارے اس دن، تمھارے اس ماہ، تمھارے اس شہر کی حرمت کی طرح۔ (خطبہ حجۃ الوداع)

۱۰ آیتِ کریمہ: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ (سورۂ مائدہ:۴۲) تو اگر تمھارے پاس حاضر ہوں تو ان کا فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو۔

منسوخ ہے اِس آیتِ کریمہ سے: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ (سورۂ مائدہ:۴۹)

اور یہ کہ اے مسلمان! اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کر۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ (اہل ذمّہ کا) فیصلہ کرنا چاہیں تو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی کوئی پروا نہ کریں۔ اس طرح ماحصل یہ ہوا کہ ہم چاہیں تو اہلِ ذمّہ کا اپنا معاملہ ان کے پیشواؤں کے پاس جانے دیں کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے کسی معاملہ میں فیصلہ کریں۔ اور چاہیں تو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق ان کا ہم خود فیصلہ کریں۔ ان دونوں باتوں کا ہمارے لئے جواز واختیار ہے۔

۱۱ آیتِ کریمہ:۔ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ۔ (سورۂ مائدہ:۱۰۶)

جب تم میں سے کسی کی موت آئے وصیت کے وقت تو (گواہی کے لئے) تم میں کے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو۔

منسوخ ہے اِس آیت سے: وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ (سورۂ طلاق: آیت۲) اور اپنے میں سے دو ثقہ کو

گواہ کرلو۔

میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل آیتِ سورۂ مائدہ میں اس کے ظاہر معنیٰ مراد لیتے ہیں۔ اور دوسرے ائمۂ تفسیر کے نزدیک اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تمھارے رشتہ داروں کے علاوہ دو گواہ ہوں۔ اس طرح دونوں دوسرے بھی مسلمان ہی ہوں گے۔

● آیتِ کریمہ:۔ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ۔ (سورۂ انفال:۶۵)

اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہوں گے۔

اس کے بعد کی آیت (سورۂ انفال:۶۶) سے منسوخ ہے۔

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (سورۂ انفال:۶۶)

اگر تم میں کے سو صبر والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں کے ہزار ہوں، تو دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اللہ کے حکم سے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت منسوخ ہی ہے۔

● آیتِ کریمہ: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (سورۂ توبہ:۴۱)

کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے، اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے۔

منسوخ ہے اِن آیاتِ عذر سے: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (سورۂ فتح:۱۷)

اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مؤاخذہ۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ ۔الیٰ۔ اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (سورۂ توبہ:۹۱-۹۲)

ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنھیں خرچ کا مقدور نہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً۔ (سورۂ توبہ:۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ خِفَافًا سے مراد یہ ہے کہ جہاد میں کام آنے والی ایک سواری، خدمت کے لئے ایک غلام اور اتنا خرچ جس پر قناعت ہو سکے، ان کے کم سے کم ہونے کے باوجود۔

اور ثِقَالًا سے مراد یہ ہے کہ بہت سے خدام اور سواریوں کے ساتھ۔

اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں۔ یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ نسخ متعین نہیں ہے۔

● آیتِ کریمہ: اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۂ نور:۳)

بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا شرک کرنے والی سے، اور بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک۔ اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے۔

منسوخ ہے اس آیت سے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ۔ (سورۂ نور:۳۲)

اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق غلاموں اور کنیزوں کا۔

میں کہتا ہوں کہ: امام احمد بن حنبل اس آیت کے ظاہر معنی کے قائل ہیں۔ دوسرے حضرات کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ: مرتکب کبیرہ (زنا) زانیہ ہی کا کفو ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ: پاک دامن مرد کے لئے زانیہ کو اختیار کرنا اچھا نہیں ہے۔ اور حُرِّمَ ذٰلِكَ کا اشارہ زنا و شرک کی طرف ہے۔ اس لئے آیتِ مذکورہ بالا منسوخ نہیں۔ اور آیت وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى عام ہے جو خاص کو منسوخ نہیں کرتی۔

⑩ آیت کریمہ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ۔ (سورۂ نور:۵۸)

اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اجازت لیں تمھارے ہاتھ کے مال غلام اور وہ جو تم میں کے ابھی جوانی کو نہ پہنچے۔ تین وقت۔

کہا گیا کہ: آیت منسوخ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ: منسوخ نہیں ہے۔ مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں تساہل برتتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: ابن عباس کا مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ یہ رائے زیادہ وقیع اور قابل اعتماد ہے۔

⑪ آیتِ کریمہ: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ۔ (سورہ احزاب:۵۲) ان کے بعد اور عورتیں تمھیں حلال نہیں۔

منسوخ ہے اس آیت سے: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ۔ (سورہ احزاب:۵۰)

اے نبی! ہم نے تمھارے لئے تمھاری وہ بیویاں جن کو تم مہر دو، انھیں تمھارے لئے حلال کر دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ: ہوسکتا ہے کہ ناسخ آیت تلاوت میں منسوخ آیت پر مقدم ہو۔ یہی میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے۔

⑫ آیتِ کریمہ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۂ مجادلہ:۱۲)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔ یہ تمھارے لئے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔ پھر اگر تمھیں مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے: ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ۔ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (سورۂ مجادلہ:۱۳)

کیا تم اس سے ڈرے کہ اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دو؟ پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے تم پر نظرِ رحمت کی تو نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار، رہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ: آیت مذکورہ بالا آیتِ مابعد (ءَ اَشْفَقْتُم۔الخ) سے منسوخ ہے۔

⑳ آیتِ کریمہ:۔فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا۔(سورۂ ممتحنہ:۱۱)

تو جن کی عورتیں جاتی رہی تھیں غنیمت میں سے انھیں اتنا دے دو جو اُن کا خرچ ہوا تھا۔

بعض نے کہا کہ: اس آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً۔

اور بعض نے کہا کہ: یہ آیتِ غنیمت سے منسوخ ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ: سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت محکم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ظاہر یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔لیکن مصالحت کے وقت اور کافروں کی قوت زیادہ ہونے کے وقت یہ حکم خاص ہے۔

㉑ آیتِ کریمہ:۔قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔(سورۂ مزمل:۲) رات میں قیام کر سوا کچھ رات کے۔

سورت کے اِس آخری حصہ سے منسوخ ہے:عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔(سورۂ مزمل:۲۰) اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو اس نے تم پر نظرِ رحمت کی۔اب قرآن میں سے تمھارے لئے جتنا آسان ہو، اتنا پڑھو۔

پھر یہ بھی حکمِ نمازِ پنج گانہ سے منسوخ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ: سورت کے آخری حصہ کا نمازِ پنج گانہ سے منسوخ ہونا قوی اور مدلّل نہیں۔بلکہ حق یہ ہے کہ پہلے اِستحبابِ تہجد کی تاکید ہے پھر حکمِ استحباب باقی رکھ کر نسخِ تاکید ہے۔

شیخ ابن العربی کی موافقت میں علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ:

یہ اکیس (۲۱) آیتیں منسوخ ہیں۔جن میں سے بعض کے نسخ پر اختلاف بھی ہے۔ان کے علاوہ دیگر آیات کے منسوخ ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں۔اور آیتِ اِستیذان و آیتِ قسمت کا محکم ہونا اور منسوخ نہ ہونا زیادہ صحیح ہے۔

اب کل منسوخ آیات کی تعداد انیس (۱۹) ہوئی۔اور ہماری تحریر کردہ تحقیق کے مطابق صرف پانچ (۵) آیات منسوخ ہیں۔



فصلِ ثالث

معرفتِ اسبابِ نزول

فنِ تفسیر کا ایک دشوار گذار مرحلہ اور مشکل مقام اسبابِ نزول (شانِ نزول) کی معرفت ہے۔ اس دشواری کی وجہ بھی متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ صحابہ وتابعینِ کرام رِضوانُ اللّٰہِ علیہم اَجمعِین کے اقوال وروایات کے مطالعہ اور تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اس واقعہ کے بیان کے لئے نَزَلَتْ فِی کَذَا کا استعمال نہیں کرتے تھے جو زمانۂ رسالت مآب صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں پیش آیا اور سببِ نزولِ آیت بنا، بلکہ:

بیشتر اوقات ایسا ہوتا کہ آیت جس واقعہ پر صادق آتی اسے بیان کرتے جس میں اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ یہ واقعہ زمانۂ رسالت مآب صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم یا اس کے بعد کا ہے۔ ہر دو صورت میں وہ کہتے کہ نَزَلَتْ فِی کَذَا۔ اس صورت میں آیت کے اندر مذکور تمام قیود کا اِنطباق لازم نہیں ہوتا صرف اصل حکم کا اِنطباق کافی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے کیے گئے سوال یا آپ کے زمانۂ مبارک میں پیش آمدہ کسی واقعہ پر آپ نے کسی آیت سے کوئی حکم مستنبط فرما کر وہ آیت تلاوت فرمادی۔ تو اس صورت کو صحابہ وتابعین کرام نے نَزَلَتْ فِی کَذَا سے تعبیر کیا ہے۔

بسا اوقات ان صورتوں میں وہ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تعالیٰ قولَہٗ کَذَا کہتے۔ یا یہ کہتے کہ فَنُزِّلَتْ۔

گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس آیت سے رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اِستنباط اور اس موقعہ پر آپ کے قلبِ مبارک پر اس آیت کا اِلقا بھی وحی واِلہام کی ایک قسم ہے۔ اس جہت سے کہا جاسکتا ہے کہ فَاُنْزِلَتْ۔ اور اگر کوئی اسے تکرارِ نزولِ آیت سے تعبیر کرے تو یہ بھی صحیح ہے۔

محدثینِ کرام نے آیاتِ قرآن کی تفسیر کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ذکر کی ہیں جن کا اسبابِ نزول سے تعلق نہیں۔ مثلاً اپنے مباحثوں میں صحابۂ کرام کا کسی آیت کو بطورِ استشہاد۔ یا نظیر پیش کرنا۔ یا رسول اکرم صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا خود اپنے کلام کے لئے کسی آیت کو بطورِ استشہاد تلاوت کرنا۔ یا (صحابہ ومحدثین کا) کسی حدیثِ نبوی کی روایت کرنا جو اصل حکم میں آیت کے مطابق ہو۔ یا نزولِ آیت کی جگہ کا تعین کرنا۔ یا قرآن میں مذکور مُبہم اَسما کا تعین کرنا۔ یا کسی قرآنی کلمہ کے تلفظ کا طریقہ بیان کرنا۔ یا قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کرنا۔ یا کسی حکمِ قرآن پر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے عمل کی صورت واضح کرنا اور اس طرح کی دوسری چیزیں جن میں سے کوئی بھی حقیقۃً اسبابِ نزول میں سے نہیں۔

اپنی تفسیر میں مفسر کے لئے شرط نہیں کہ وہ ان چیزوں کا اِحاطہ کرے۔ مفسر کے لئے صرف دو چیزیں شرط ہیں:

اوّل:- جن واقعات کی طرف آیات کے اندر اشارہ ہے، انھیں جاننا۔ کیوں کہ واقعات کو جانے بغیر ان آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں۔

ثانی:- خاص واقعہ۔ یا اس سے ملتی جلتی وہ چیز جو آیت کے عموم کو خصوص میں تبدیل کر دیتی ہے۔ کیوں کہ

اسے جانے بغیر آیت کا مقصود سمجھنا بے حد مشکل ہے۔

یہاں ایک بات ضرور پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ انبیاے سابقین علیہم السّلام کے واقعات، احادیثِ نبوی میں بہت کم مذکور ہیں۔طویل وعریض حکایات وواقعات جن کی روایت وبیان میں مفسرین خاصی زحمت اٹھاتے ہیں، وہ سب عُلماے اہلِ کتاب سے منقول ہیں۔اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔

اور پیغمبر اسلام صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے مرفوعاً روایت ہے کہ لَا تُصَدِّقُوا اَھْلَ الْکِتَابِ وَ لَا تُکَذِّبُوْ ھُمْ۔وَقُوْلُوْ ا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاَانْزَلَ۔(کتاب التفسیر۔صحیح بخاری)

اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو۔بلکہ کہو کہ: ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جسے اس نے نازل فرمایا۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بسا اوقات صحابۂ کرام وتابعینِ عِظام مشرکوں اور یہودیوں کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات ورسوم واضح کرنے کے لئے تفصیلی حکایات وواقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ نَزَلَتِ الآیۃُ فِی کذا۔جس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ ایسے ہی موقعہ کے لئے فلاں آیت کا نزول ہوا ہے۔خواہ وہی واقعہ ہو۔یا اس سے مشابہ۔یا اس کے قریب ہو۔کوئی خاص واقعہ بیان کرنا نہیں بلکہ صورتِ حال کی وضاحت کرنا ان کا مقصود ہوتا۔وہ صرف اس لئے اسے ذکر کرتے کہ یہ ان اُمورِ کلّیہ کے مطابق ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے مواقع پر مفسرین کے مختلف اقوال ملتے ہیں اور ہر مفسر اپنی بات ثابت کرنا چاہتا ہے۔جب کہ درحقیقت سارے مفسرین کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔

اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابودرداء رضی اللّٰہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ: کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں ہوتا جب تک ایک آیت کو متعدد مصداقوں پر محمول نہ کرے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم میں یہ دو صورتیں بکثرت بیان کی جاتی ہیں:

اوّل:- مردِ سعید کی صورت جس میں بعض اوصافِ سعادت بیان کیے جاتے ہیں۔

ثانی:- مردِ شقی کی صورت جس میں بعض اوصافِ شقاوت اجاگر کیے جاتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں میں کسی شخصِ معیَّن کی طرف اشارہ نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اوصاف واعمالِ سعادت وشقاوت کے احکام بیان کیے جائیں۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰناً حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھاً وَّوَضَعَتْہُ کُرْھاً۔(سورۂ احقاف:۱۵)

اور ہم نے آدمی کو حکم دیا کہ: اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ اسے جنا۔

پھر اسی آیت سے متصل دو صورتیں ایک سعید اور ایک شقی کی بیان کی گئیں۔

اسی طرح یہ ارشاد ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ مَّاذَا اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔(سورۂ نحل:۲۴)

اور جب ان سے کہا جائے کہ: تمہارے رب نے کیا اتارا؟ وہ کہیں: اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ہے: وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّکُمْ۔قَالُوْا خَیْراً۔(سورۂ نحل:۳۰) اور ڈر والوں

سے کہا گیا کہ: تمھارے رب نے کیا اتارا؟ وہ بولے: خوبی۔

اسی طرز پر یہ آیات بھی محمول ہیں:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً۔اِلیٰ آخرِ الآیة۔(سورۂ نحل:۱۱۲)

اور اللہ نے کہاوت بیان فرمائی: ایک بستی کی جو امان واطمینان سے تھی۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفاً فَمَرَّتْ بِهٖ۔اِلیٰ۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔(سورۂ اعراف:۱۸۹۔۱۹۰)

وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے چین پائے۔ پھر جب مرد اس پر چھایا تو اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا۔ جسے وہ لیے پھرتی رہی۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔(سورۂ مومنون:۱تا۵)

بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اور وہ جو کسی بے ہودہ بات پر توجہ نہیں دیتے۔ اور وہ جو زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۔هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ۔مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ۔مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۔عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ۔(سورۂ قلم:۱۰تا۱۳)

اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل، بہت طعنے دینے والا، بہت اِدھر کی اُدھر لگاتا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، دُرُشت خُو اور ان سب پر طرّہ کہ اس کی اصل میں خطا ہے۔

ان صورتوں میں یہ ضروری نہیں کہ مذکورہ خصوصیات شخصِ واحد میں مکمل طور پر پائی جائیں۔ مثلاً یہ ایک آیتِ کریمہ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ۔(سورۂ بقرہ:۲۶۱)

ان کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانہ کی طرح ہے جس نے اُگائیں سات بالیں۔ ہر بال میں سو دانے۔

اس میں مقصود اجر کی زیادتی کا بیان ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ اس وصف کا کوئی دانہ پایا جائے۔ اور اگر کوئی ایسی صورت پائی جائے جس میں کُل یا اکثر اوصاف موجود ہوں تو یہ صورت از قبیلِ لزومِ مالایلزم ہے کہ اتفاقاً وہ اوصاف کسی ایک شئی میں پالیے گئے۔

بعض حالات میں ایسا ہوا ہے کہ قرآنِ حکیم کے اندر کسی عامۃ الورود شُبہ کا اِزالہ یا قریبُ الفہم سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد کلامِ سابق کی تشریح ہے۔ ایسا نہیں کہ اس وقت واقعۃً کسی نے بعینہٖ یہی سوال کیا ہے۔ یا یہی شُبہ ظاہر کیا ہے۔ بسا اوقات صحابۂ کرام ایسے مقام کی تفسیر میں ایک سوال فرض کر کے اس کی تشریح

سوال جواب کی صورت میں کرتے ہیں۔

اگر ہم بنظرِ عمیق دیکھیں تو یہ سب ایک منظم و مربوط کلام ہوتا ہے جس میں اس کی گنجائش نہیں کہ کچھ پہلے اور کچھ بعد میں نازل ہوا۔ وہ ایک مربوط کلام ہوتا ہے جس کی بندش توڑی نہیں جاسکتی اور کسی قاعدہ کے تحت اسے الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔

صحابۂ کرام کبھی تقدم وتأخر کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کی مراد تقدم وتأخرِ رُتبی ہے نہ کہ زمانی۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر اس آیتِ کریمہ کے بارے میں کہتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ ۔ (سورۂ توبہ:۳۴) اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی۔

"ھذا قبل ان تنزِل الزکوٰۃ فَلَمَّا نزلتْ جعلَھا اللّٰہُ تعالیٰ طُھْراً لِلْاَموالِ"۔ (کتاب التفسیر، صحیح بخاری)

"یہ وعید حکمِ زکوٰۃ کے نزول سے پہلے کی ہے۔ پھر جب آیاتِ زکوٰۃ نازل ہوئیں تو اللہ نے زکوٰۃ کو اموال کی پاکی کا ذریعہ بنادیا۔"

یہ معلوم ہے کہ سورۂ براءت (سورۂ توبہ) نزول کے اعتبار سے آخری قرآنی سورت ہے۔ اور یہ آیت آخر میں پیش آنے والے واقعات کے ضمن میں ہے۔ جب کہ فرضیتِ زکوٰۃ اس سے کئی سال پہلے ہوچکی ہے۔ عبداللہ بن عمر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ: اِجمال کا رُتبہ تفصیل پر مقدَّم اور اس سے افضل ہے۔

المختصر یہ کہ مفسِّر کے لئے اس باب میں دو باتوں سے زیادہ جاننا ضروری نہیں:

اوّل: غزوات وغیرہ کے جن بعض خصوصی واقعات کی طرف آیاتِ قرآن میں ارشاد و اِشارہ ہے ان کا علم ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ جب تک انھیں نہیں جانیں گے اس وقت تک ان کی حقیقت نہیں سمجھ سکیں گے۔

ثانی: بعض قیود کے فوائد اور بعض مواقع کی سختی کے اسباب کا علم بھی ضروری ہے جو اَسبابِ نزول جاننے پر موقوف ہے۔

تفسیر میں اقوالِ صحابہ وتابعین کی یہ آخری بحث درحقیقت توجیہ کی ایک قسم ہے۔ توجیہ مقصودِ کلام ظاہر کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لفظِ توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

کبھی کسی آیت میں بظاہر کوئی شُبہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ صورت مستبعد محسوس ہوتی ہے جو مصداقِ آیت ہے۔ یا دو آیتوں میں تناقض نظر آتا ہے۔ یا ذہنِ مبتدی کے لئے مِصداقِ آیت سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ یا ذہنِ مبتدی کسی تقیید کا فائدہ نہیں سمجھتا۔

مفسر جب ایسے اشکالات کا حل پیش کرتا ہے تو اس کو توجیہ کہا جاتا ہے۔ جس کی چند مثالیں یہ ہیں:

① یٰاُخْتَ ھٰرُوْنَ ۔ (سورۂ مریم:۲۸) اے ہارون کی بہن!

لوگوں کا سوال تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کے درمیان طویل مدت کا فاصلہ ہے۔ پھر حضرت ہارون، حضرت مریم کے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں؟ گویا سائل نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ یہ ہارون وہی حضرت ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ کے بھائی ہیں۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل اپنے

اسلافِ صالحین کے نام پر اپنے بچوں کا نام رکھا کرتے تھے۔

② ایک سوال یہ تھا کہ لوگ قیامت کے دن اپنے چہرے کے بَل کس طرح چلیں گے؟

اس سوال کے جواب میں رسول اللہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: الّذی اَمْشاہ فی الدُّنیا عَلیٰ رِجْلیْہِ لَقادِرٌ اَنْ یمشیہُ علیٰ وَجھِہٖ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

جس ذات نے دنیا میں انسان کو اس کے پیروں پر چلایا وہی ذات اسے (بروزِ قیامت) اس کے چہرہ کے بَل بھی چلانے پر قادر ہے۔

③ آیتِ کریمہ: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْن۔ (سورۂ مومنون:۱۰۱)

تو جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات کوئی پوچھے۔

اور آیتِ کریمہ:۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ۔ (سورۂ الصّٰفّٰت:۲۷) اور ان میں سے ایک نے دوسرے کی طرف منہ کیا، آپس میں پوچھتے ہوئے۔

ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق کی صورت حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: کوئی باہمی سوال نہ کرنے کی خبر روزِ قیامت کے بارے میں ہے۔ اور سوال کرنے کی خبر دخولِ جنت کے بعد کی ہے۔ (جلد خامس، اَلدُّرُّ المَنثور)

④ آیتِ کریمہ:۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ (سورۂ بقرہ:۱۵۸) تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔

اس آیت کے تعلق سے لوگوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ جب صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ کس مصلحت کے تحت فرمایا؟

حضرت عائشہ نے ارشاد فرمایا: کچھ لوگ صفا و مروہ پر رکھے گئے پرانے بُت اساف و نائلہ کی وجہ سے طواف سے اِحتراز کرتے اور حرج محسوس کرتے تھے جس کی وجہ سے اللہ نے فَلَا جُنَاحَ فرمایا۔ (کتاب الحج، صحیح مسلم)

⑤ پیغمبر اسلام صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے حضرت عمر نے پوچھا کہ اِنْ خِفْتُمْ (سورۂ نساء:۱۰۱) کی قید کیوں لگائی ہے؟

تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے ایک صدقہ و تحفہ ہے۔ یعنی جو ادو سخی لوگ تنگی نہیں کرتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ قید ضیق و حرج کے لئے نہیں ذکر کی ہے بلکہ یہ قید اتفاقی ہے۔

توجیہ کی مزید متعدد مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔ یہاں مقصود صرف توجیہ کا معنیٰ سمجھنا سمجھانا ہے۔ (زیادہ تفصیل اور حصر و اِحاطہ مقصود نہیں)

بخاری و ترمذی و حاکم نے اسبابِ نزول و توجیہ کے بارے میں اپنی تفاسیر میں جن احادیثِ مرفوعہ یا موقوفہ کی بسندِ جید روایت کی ہے، انھیں بابِ خامس (فتحُ الخبیر) میں تنقیح و اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا جس کے دو فوائد پیشِ نظر ہیں:

اوّل: مفسّر کے لئے اتنے آثار وروایات کو یاد رکھنا ضروری ہے جتنے کہ شرح غرائب القرآن کی وہ تحریحات یادرکھنا ضروری ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

ثانی: مطالب آیات سمجھنے میں چند کے سوا اکثر اسباب نزول کا کوئی دخل نہیں۔بس اتنے واقعات کے متعلقہ اسباب نزول کا جاننا ضروری ہے جو تفاسیر ثلثہ مذکورہ (بخاری وترمذی وحاکم) کہ عند المحدثین اصح التفاسیر ہیں،ان کے اندر مذکور ہیں۔

اور محمد بن اسحٰق[1] واقدی[2] وکلبی[3] نے اس باب میں افراط سے کام لیتے ہوئے ہر آیت کے ضمن میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔ان کا اکثر حصہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں اور ان کی سند میں کلام ہے۔

واضح غلطی یہ ہے کہ ان کو ضروریات وشرائطِ تفاسیر میں شمار کیا جائے۔اور تدبّرِ قرآن کو ان کے علم ومعرفت پر موقوف رکھنا کتابِ الٰہی سے اپنا حصہ ونصیبہ فوت کردینے کے مترادف ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

فصلِ رابع

حذف وابدال، تقدیم وتاخیر، متشابہ وتعریض، استعارہ ومجاز

اس باب کی باقی ماندہ چیزیں جن سے فہم مراد میں دشواری آتی ہے، وہ یہ ہیں:

کلام کے بعض اجزا یا حروف کا حذف، کسی چیز کی دوسری چیز سے تبدیلی۔ تقدیم ما حقُّہُ التاخیر وتاخیر ماحقُّہُ التقدیم، استعمالِ متشابہات وتعریضات وکنایات بالخصوص معنیٔ مراد کی ایسی محسوس شکل میں منظر کشی جو عادۃً اس کا لازم معنیٰ ہے۔ اور استعارہ بالکنایہ ومجازِ عقلی۔

اب آپ کی بصیرت میں اضافہ کے لئے ان امور میں سے بعض کی مثالیں بطریقِ اختصار پیش کی جارہی ہیں۔

حذف

حذف کی کئی قسمیں ہیں۔ حذفِ مضاف، حذفِ موصوف، حذفِ متعلق یعنی عامل وغیرہ۔ مثلاً

(۱) آیتِ کریمہ: وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ۔ (سورۂ بقرہ:۱۷۷) ای بِرُّمَنْ آمَنَ۔ بِرُّ مضاف، مَنْ آمَنَ سے پہلے محذوف ہے۔

---

(۱) ائمۂ اعلام میں سے ہیں خصوصاً مغازی وسیر میں۔ وفات ۱۵۱ھ۔

(۲) محمد بن عمر ابن واقد اسلمی، عالم مغازی وسیر۔ ___ بعض نے ان کی سخت تضعیف کی ہے، بعض نے توثیق کی ہے۔ علمائے حنفیہ ان کی ثقاہت کے قائل ہیں اور مغازی وسیر میں ان کی جلالت شان مسلّم ہے۔ سال وفات ۲۰۷ھ ہے۔ مترجم

(۳) محمد بن سائب بن بشر بن عمرو کلبی، بقول ابن عدی تفسیر میں پسندیدہ ہیں اور بقول ابوحاتم حدیث میں ان کے متروک ہونے پر اتفاق ہے۔ ایک جماعت نے انھیں متہم بالوضع بھی قرار دیا ہے سال وفات ۱۴۶ھ ہے۔ مترجم

② آیتِ کریمہ: وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً۔ (سورۂ بنی اسرائیل:۵۹) ای آیَةً مُبصِرَةً۔
آیَةً موصوف ہے جو مُبْصِرَةً سے پہلے محذوف ہے۔ کیوں کہ اونٹنی دیکھنے والی ہی تھی، اندھی نہیں تھی۔

③ آیتِ کریمہ: وَاُشْرِبُوْا فِی قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِهِمْ ۔(سورۂ بقرہ:۹۳) اوران کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کی وجہ سے۔ اس آیت میں العِجل سے پہلے حُبٌّ محذوف ہے۔ اور تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: وَاُشْرِبُوْافِی قُلُوْبِهِمْ حُبَّ الْعِجْلِ۔

④ آیتِ کریمہ: اَقَتَلْتَ نَفْساً زَکِیَّةً م بِغَیْرِ نَفْسٍ۔ (سورۂ کہف:۷۴) کیا تم نے ایک ستھری جان بغیر جان کے بدلے قتل کر دی۔
اس آیت میں قَتْل مضاف ہے جو نفس سے پہلے محذوف ہے۔ بِغَیْرِ قَتْلِ نَفْسٍ۔

⑤ آیتِ کریمہ: مَنْ قَتَلَ نَفْساً م بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً۔(سورۂ مائدہ:۳۲)
جس نے بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کے بغیر کوئی جان قتل کی تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔
اَوْفَسادٍ یعنی اَوْبِغَیْرِ فَسادٍ۔ ب جار اور غیر جو اس کا مجرور ہے، یہ دونوں فساد سے پہلے محذوف ہیں۔

⑥ آیتِ کریمہ: مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۂ رحمٰن:۲۹) جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں۔
اس آیت میں الارض سے پہلے مَنْ اسم موصول اور فی حرف جار، یہ دونوں محذوف ہیں۔ اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ ورنہ یہ حذف نہ ماننے کی صورت میں ایک ہی چیز آسمانوں اور زمین میں سمجھی جائے گی جو مرادِ آیت کے خلاف ہے۔

⑦ آیتِ کریمہ: اِذاً لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ (سورۂ بنی اسرائیل:۷۵) اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دوچند موت کا مزہ دیتے۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ضِعْفَ عَذَابِ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ عَذَابِ الْمَمَاتِ۔

⑧ آیتِ کریمہ: وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِی کُنَّا فِیْهَا (سورۂ یوسف:۸۲) اور اس بستی سے پوچھیے جس میں ہم تھے۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: وَاسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْیَةِ۔

⑨ آیتِ کریمہ: بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْراً۔ (سورۂ ابراہیم:۲۸) اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی۔
اس آیت میں مَکَانَ مضاف اور شُکر مضاف الیہ دونوں محذوف ہیں۔ اور تقدیرِ عبارت یوں ہے۔ فَعَلُوا مَکَانَ شُکْرِنِعْمَتِ اللّٰهِ کُفْراً۔

⑩ آیتِ کریمہ: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِی هِیَ اَقْوَمُ۔ (سورۂ بنی اسرائیل:۹) بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: لِلْخَصْلَةِ التی هِیَ اَقْوَمُ۔

⑪ آیتِ کریمہ: اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ۔ (سورۂ حٰم السجدہ:۳۴) برائی کو بھلائی سے ٹالو۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: بِالْخَصْلَةِ الَّتِی هِیَ اَحْسَنُ۔

⑫ آیتِ کریمہ: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی۔ (سورۂ انبیاء:۱۰۱) بے شک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ

بھلائی کا ہو چکا۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْكَلِمَةُ الْحُسْنٰى وَالعِدَةُ الْحُسْنٰى۔ جن کے لئے ہماری جانب سے اچھی بات اور اچھا وعدہ ٹھہر چکا ہے۔

⑬ آیتِ کریمہ: عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۔(سورۂ بقرہ:۱۰۲) سلطنتِ سلیمان کے زمانے میں۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: عَلٰى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔

⑭ آیتِ کریمہ: مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ۔ (سورۂ آل عمران:۱۹۴) جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے، اپنے رسولوں کی معرفت۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ۔

⑮ آیتِ کریمہ: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔(سورۂ قدر:۱) بے شک اسے ہم نے شبِ قدر میں اُتارا۔
اس آیت میں ضمیر کا مرجع غیر مذکور ہے اور وہ القرآن ہے۔یعنی اَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ۔اس مرجع محذوف پر اَنْزَلْنَا کی دلالت واضح ہے۔

⑯ آیتِ کریمہ: حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔(سورۂ ص:۳۲) یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گیا۔
اس آیت میں بھی ضمیر کا مرجع محذوف ہے اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: حَتّٰى تَوَارَتِ الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ۔

⑰ آیتِ کریمہ: وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۔(سورۂ حم السجدہ:۳۵) اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔
اس آیت میں ضمیر کا مرجع محذوف ہے۔اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: وَمَا يُلَقّٰى خَصْلَةَ الصَّبرِ ۔

⑱ آیتِ کریمہ: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ۔مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ۔(سورۂ مائدہ:۶۰) تم کہو! کیا میں بتا دوں جو اللہ کے یہاں اس سے بدتر درجہ میں ہیں؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے کر دیے بندر اور سؤر اور شیطان کے پجاری۔
قراءت بالنصب یعنی عَبَدَ کی صورت میں مَنْ اسم موصول محذوف ہے اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: جَعَلَ مِنهم مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۔

⑲ آیتِ کریمہ: فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔(سورۂ فرقان:۵۴) پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: فَجَعَلَ لَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔حرفِ جار حذف کر کے ضمیر کو فعل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

⑳ آیتِ کریمہ: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ۔(سورۂ اعراف:۱۵۵) اور موسیٰ نے اپنی قوم سے چنا۔
اس آیت میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى مِنْ قَوْمِهٖ۔حرفِ جار مِن کو محذوف کر کے اس کے مجرور کو منصوب بنا دیا گیا۔

㉑ آیتِ کریمہ: اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ۔(سورۂ ہود:۶۰) سن لو! بے شک عاد اپنے رب سے منکر ہوئے۔

اس آیت میں تقدیر عبارت یوں ہے: اَلاَ اِنَّ عَاداً کَفَرُوْا نِعْمَةَ رَبِّھِمْ - اَو - کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ۔

⑫ آیتِ کریمہ: تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ۔ (سورۂ یوسف:۸۵) آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔

اس آیت میں تَفْتَؤُا سے پہلے حرفِ نفی محذوف ہے، بمعنیٰ لاتزال۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے: لَاتَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ۔

⑬ آیتِ کریمہ: وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ۔ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ (سورۂ زُمَر:۳) اور وہ جنھوں نے اس کے سوا اور والی بنالیے، کہتے ہیں: ہم تو انھیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔

اس آیت میں مَا نَعْبُدُھُمْ سے پہلے یَقُوْلُوْنَ محذوف ہے۔

⑭ آیتِ کریمہ: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ۔ (سورۂ اعراف:۱۵۲) بے شک وہ جو بچھڑا کو بنا بیٹھے۔

اس آیت میں اَلْعِجْلَ کے بعد اِلٰھاً محذوف ہے جو مفعول ثانی ہے۔

⑮ آیتِ کریمہ: اِنَّکُمْ کُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ۔ (سورۂ الصّٰفّٰت:۲۸) تم ہماری دہنی طرف سے بہکانے آتے تھے۔

اس آیت میں الیمین کے بعد وَعَنِ الشِّمَالِ محذوف ہے جو جملہ کا ایک جُز ہے۔

⑯ آیتِ کریمہ: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَاماً فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ۔ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ۔ (سورۂ واقعہ:۶۵،۶۶) ہم چاہیں تو اسے روندیں۔ پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تو قرض دار ہو گئے۔

اس آیت میں تَفَکَّھُوْنَ کے بعد تَقُوْلُوْنَ محذوف ہے۔

⑰ آیتِ کریمہ: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ۔ (سورۂ زخرف:۶۰) اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تمھارے بدلے فرشتے بساتے۔

اس آیت میں لَجَعَلْنَا کے بعد بَدَلاً محذوف ہے۔

⑱ آیتِ کریمہ: کَمَا اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ م بَیْتِکَ بِالْحَقِّ ۔ (سورۂ انفال:۵) جیسے تمھارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ باہر بھیجا۔

اس آیت میں کَمَا سے پہلے فعلِ امر اِمْضِ محذوف ہے۔

۞ اِنَّ کی خبر، شرط کی جزا، مفعولِ فعل، مبتداے جملہ وغیرہ کے حذف کا جب کوئی قرینہ اور دلالت ہو تو ایسا حذف قرآنِ حکیم میں عام ہے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: فَلَوْ شَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ (سورۂ انعام:۱۴۹) وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت فرماتا۔

اس آیت میں ھِدایتکم محذوف ہے۔ یعنی فَلَوْ شآ ھِدایتکم لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

② آیتِ کریمہ: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ۔ (سورۂ بقرہ:۱۴۷) یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔

یعنی ھٰذا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ۔ یا۔ اَلْحَقُّ مَا ثَبَتَ مِنْ رَّبِّکَ۔

③ آیتِ کریمہ: لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ۔ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا۔ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ (سورۂ حدید:۱۰) تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح

مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا۔ اوران سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

اس آیت میں اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا۔ کی دلالت کی وجہ سے جملہ کا جزءِ ثانی محذوف ہے۔ اور تقدیرِ عبارت یہ ہے: لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْۢ بَعْدِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ۔

④ آیتِ کریمہ: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَمَا خَلْفَکُمْ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ۔ (سورۂ یٰس: ۴۵و۴۶) اور جب ان سے فرمایا جاتا کہ تم ڈرو اس سے جو تمھارے سامنے ہے اور جو تمھارے پیچھے آنے والا ہے، اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے، تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور جب کبھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے، تو اس سے منہ ہی پھیر لیتے ہیں۔

اس آیت میں تُرْحَمُوْنَ کے بعد اَعْرَضُوْا محذوف ہے۔ جس پر وَمَا تَاْتِیْهِمْ۔ الخ کی واضح دلالت ہے۔

⑤ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔ (سورۂ بقرہ: ۳۰) اور۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ (سورۂ بقرہ: ۵۴) جیسی آیات میں اصل یہ ہے کہ اِذْ کسی فعل کا ظرف ہو۔ لیکن ان آیات میں اِذْ کا معنیٰ تخویف وترہیب ہے۔ جیسے ہولناک حادثات اور بڑے واقعات بیان کرتے وقت آدمی نہ جملوں کی ترکیب اور نہ کلمات کے مواقعِ اعراب کا خیال رکھتا ہے۔ بلکہ ان واقعات کو بعینہٖ بیان کرنا اس کا مقصود ہوتا ہے تاکہ ذہنِ سامع ومخاطب میں وہ نقش ہوجائیں اور سامع ومخاطب کے دل میں ان حادثات وواقعات کا خوف طاری ہوجائے۔

محقق امر یہی ہے کہ ایسے مقامات میں عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالیٰ اَعلم۔

❁ اَنْ مصدریہ کے جار کا حذف بھی کلامِ عرب میں عام ہے۔ اور وہ لِاَنْ اور بِاَنْ کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ۔ (سورۂ انعام: ۹۳) اور وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ (سورۂ بقرہ: ۱۶۵) جیسی آیاتِ کریمہ میں اصل یہ ہے کہ شرط کا جواب محذوف ہو۔ مگر اسے اہلِ عرب نے تعجب کے معنیٰ میں لیا ہے اس لئے محذوف تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالیٰ اَعلم۔

ابدال

❁ ابدال یعنی ایک کلمہ کی دوسری کلمے سے تبدیلی ایک کثیرُ الجہات تصرُّف ہے۔ جس کا اِستِقصا اس کتاب کا مقصود نہیں۔

(الف) کبھی ایک فعل کو دوسرے سے تبدیل کردیا جاتا ہے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ:۔ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ۔ (سورۂ انبیا: ۳۶) کیا یہی ہیں وہ جو تمھارے خداؤں کو بُرا کہتے ہیں؟

اس آیت میں یَسُبُّ کی جگہ یَذْکُرُ ہے۔ کیوں کہ ''سَب'' کا اظہار ناپسندیدہ تھا۔

اسی قبیل سے عُرف کے یہ محاورات ہیں جو کسی کے بارے میں بولے جاتے ہیں کہ فلاں کے دشمن بیمار ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں بیمار ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ جنابِ عالی کے غلام یہاں تشریف لائے۔ یا جنابِ عالی کے غلام اس معاملہ سے آگاہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جنابِ عالی تشریف لائے اور جنابِ عالی اس

سے واقف ہیں۔

② آیت کریمہ: وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۔ (سورۂ انبیاء ۴۳) اور نہ ہماری طرف سے ان کی یاری ہو۔

چوں کہ نصرت بغیر اجتماع وصحبت کے نہیں ہو سکتی اس لئے یُنْصَرُوْنَ کو یُصْحَبُوْنَ سے بدل دیا گیا۔

③ آیت کریمہ: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورۂ اعراف ۱۸۷) بھاری پڑ رہی ہیں آسمانوں اور زمین میں۔

اس آیت میں خَفِيَتْ کو ثَقُلَتْ سے بدل دیا گیا۔ کیوں کہ کسی چیز کا علم جب مخفی ہو تو وہ اہل سماوات وارض پر بھاری ہوتی ہے۔

④ آیت کریمہ: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۔ (سورۂ نساء ۴) پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے مزہ دار خوش گوار سمجھ کر کھاؤ۔

اس آیت میں عَفَوْنَ کو طِبْنَ سے بدل دیا گیا ہے کہ اگر بیویاں برضا ورغبت تمہارے لئے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے مزہ دار خوش گوار سمجھ کر کھاؤ۔

(ب) کبھی کوئی اسم کسی دوسرے اسم کی جگہ لایا جاتا ہے۔ مثلاً

① آیت کریمہ: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۔ (سورۂ شعراء ۴) تو ان کے بڑوں کی گردنیں اس کے حضور جھکی رہ جائیں۔

اس آیت میں اعناق کی اضافت هُمْ ضمیر جمع برائے ذوی العقول کی طرف ہونے کی وجہ سے اس کی خبر خاضعة کو خاضعین سے بدل دیا گیا ہے۔

② آیت کریمہ: وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۔ (سورۂ تحریم ۱۲) اور فرماں برداروں میں ہوئی۔

حضرت مریم عبادت واطاعت میں مردوں کی طرح تھیں۔ اس لئے اَلْقَانِتَات کی جگہ القٰنتین فرمایا گیا ہے۔

③ آیت کریمہ: وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۔ (سورۂ آل عمران ۲۲) اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

اس آیت میں فاصلہ کی رعایت سے ناصر کی جگہ ناصرین فرمایا گیا ہے۔

④ آیت کریمہ: فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۔ (سورۂ الحاقہ ۴۷) پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا۔

اس آیت میں بھی حاجزاً کی جگہ حاجزین فرمایا گیا۔

⑤ آیت کریمہ: وَالْعَصْرِ ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔ (سورۂ عصر ۱،۲) زمانہ کی قسم۔ بے شک انسان ضرور گھاٹے میں ہے۔

اس آیت میں الانسان مفرد ہے جو اسم جنس ہے۔ اس سے مراد افراد بنی آدم ہیں۔

⑥ آیت کریمہ: يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۔ (سورۂ انشقاق ۶) اے انسان بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے۔ پھر اس سے ملنا ہے۔

اس آیت میں بھی ایسا ہی ہے۔

⑦ آیت کریمہ: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۔ (سورۂ احزاب ۷۲) اور آدمی نے اسے اٹھا لیا۔

اس آیت میں بھی ایسا ہی ہے۔

⑧ آیتِ کریمہ: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (سورۂ شعرا:۱۰۵) نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔
اس آیت میں الْمُرْسَلِيْن سے مراد صرف حضرت نوح ہیں۔ جن کی تکذیب ان کی قوم نے کی۔ جمع اس لئے ہے کہ ایک نبی کی تکذیب جملہ انبیا کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

⑨ آیتِ کریمہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (سورۂ فتح:۱) بے شک ہم نے تمھارے لئے روشن فتح فرمادی۔
یعنی اِنِّی فَتَحْتُ لَكَ۔ (کیوں کہ اللہ واحد ہے۔ ضمیرِ جمع محض تعظیماً ہے۔)

⑩ آیتِ کریمہ: اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ۔ (سورۂ معارج:۴۰) ہم ضرور قادر ہیں۔
یعنی اِنِّی لَقَادِرٌ۔

⑪ آیتِ کریمہ: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ (سورۂ حشر:۶) ہاں! اپنے رسولوں کے قابو میں دے دیتا ہے، جسے چاہے۔
رُسُل سے مراد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ (جمع اظہارِ عظمت کے لئے یا اس لئے ہے کہ رسولوں کے بارے میں اللہ کی سنت یکساں ہے۔)

⑫ آیتِ کریمہ: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ۔ (سورۂ آل عمران:۱۷۳) وہ جن سے لوگوں نے کہا۔
النَّاس سے مراد تنہا عُروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔ (النَّاس اسم جنس سے تنہا عُروہ بن مسعود ثقفی اس لئے مراد ہیں کہ وہ ترجمانِ قوم تھے۔)

⑬ آیتِ کریمہ: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ (سورۂ نحل:۱۱۲) تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اسے بھوک اور ڈر کا لباس پہنایا، ان کے کاموں کے بدلے۔
لِبَاسَ الْجُوْع سے مراد طعم الجوع ہے۔ کیوں کہ بھوک سے پیدا ہونے والی کم زوری و پژمردگی کا اثر لباس کی طرح پورے جسم کے لئے عام ہے۔

⑭ آیتِ کریمہ: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ:۱۳۸) ہم نے اللہ کا رنگ اپنایا اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔
اس آیت میں دِيْنَ اللّٰهِ کی جگہ صِبْغَةَ اللّٰه فرمایا گیا ہے۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دین رنگ کی طرح ہے جس سے نفسِ انسان رنگین ہوجاتا ہے۔ یا بپتسمہ کے ذریعہ نصرانیت کے رنگ میں رنگنے کو جس طرح نصاریٰ کہتے ہیں، اس سے مشابہت کی وجہ سے یہ فرمایا گیا ہے۔

⑮ آیتِ کریمہ: وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ (سورۂ تین:۲) اور طورِ سینا کی قسم۔
طور سینا کی جگہ طُوْرِ سینین فرمایا گیا ہے۔

⑯ آیتِ کریمہ: سَلٰمٌ عَلٰى اِلْ يَاسِيْنَ۔ (سورۂ صافات:۱۳۰) سلام ہو اِلیاس پر۔
اِلْيَاس کے جگہ اِلْ یا سِین فرمایا گیا۔
رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے جوڑ اور مناسبت پیدا کرنے کے لئے ان دونوں آیتوں میں دونوں اِسموں کو بدلا گیا ہے۔

(ج) کبھی کوئی ایک حرف دوسرے حرف سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔(سورۂ اعراف:۱۴۳) جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا۔
الجبل پر علٰی کی جگہ لام ہے۔ کما تجلّٰی فی المَرَّةِ الاولٰی علٰی الشجرة۔

② آیتِ کریمہ: وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔(سورۂ مومنون:۶۱) اور یہی سب سے پہلے انھیں پہنچے۔ یعنی۔اِلَیْهَا سٰبِقُوْنَ۔

③ آیتِ کریمہ:۔اِنِّی لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۔اِلَّا مَنْ ظَلَمَ۔ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(سورۂ نمل:۱۰ و۱۱) بے شک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔ ہاں جو کوئی زیادتی کرے۔ پھر بُرائی کے بعد بھلائی سے بدلے تو بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ لٰکِن کی جگہ اِلَّا ہے۔ اور اِلَّا مَنْ ظَلَمَ جملہ مستانفہ ہے۔

④ آیتِ کریمہ: وَ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ۔(سوررۂ طٰہ:۷۱) اور تجھے کھجور کے خشک تنے پر سولی چڑھاؤں گا۔ یعنی عَلٰی جُذُوْعِ النَّخْلِ۔

⑤ آیتِ کریمہ: اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ۔(سورۂ طور:۳۸) یا ان کے پاس کوئی زینہ ہے جس میں چڑھ کر سُن لیتے ہیں۔ یعنی عَلَیْهِ کی جگہ فِیْهِ ہے۔

⑥ آیتِ کریمہ: السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ م بِهٖ۔(سورۂ مزمل:۱۸) آسمان اُس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا۔ یعنی مُنْفَطِرٌ فِیْهِ۔

⑦ آیتِ کریمہ: مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ۔(سورۂ مومنون:۶۷) خدمتِ حرم پر تکبر کرتے ہو۔ یعنی عَنْهُ کی جگہ بِهٖ ہے۔

⑧ آیتِ کریمہ: اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۔(سورۂ بقرہ:۲۰۶) تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ علیٰ الاثم کی جگہ بالاثم ہے۔

⑨ آیتِ کریمہ: فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۔(سورۂ فرقان:۵۹) تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھو۔ عَنْهُ کی جگہ بِهٖ ہے۔

⑩ آیتِ کریمہ: وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی اَمْوَالِكُمْ۔(سورۂ نساء:۲) اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ۔ مَعَ کی جگہ اِلٰی ہے۔

⑪ آیتِ کریمہ: وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔(سورۂ مائدہ:۶) اور ہاتھوں کو کہنیوں کے ساتھ۔ مَعَ کی جگہ اِلٰی ہے۔

⑫ آیتِ کریمہ: عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔(سورۂ دہر:۶) ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے۔ مِنْهَا کی جگہ بِهَا ہے۔

⑬ آیتِ کریمہ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔(سورۂ انعام:۹۱) اور اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی۔ جب وہ بولے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہ اُتارا۔ اَنْ قَالُوْا کی جگہ اِذْ قَالُوْا ہے۔

(ھ) کبھی ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ لایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جملۂ محذوفہ کے حاصلِ مضمون اور اس کے سبب وجود پر یہ موجودہ جملہ دلالت کر رہا ہو۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ۔(سورۂ بقرہ:۲۲۰) اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔

فَلاَبَاسَ بِذٰلِکَ کی جگہ فَاِخْوَانُکُم ہے۔ کیوں کہ جب وہ تمھارے بھائی ہیں تو بھائی ہونا ہی ایسا چاہیے کہ اپنے بھائی کو ملائے۔

۲ آیتِ کریمہ: لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ (سورۂ بقرہ:۱۰۳) تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے۔

یعنی لَوَجَدُوا اَثْوَاباً۔ جس کے حاصلِ مضمون پر لَمَثُوْبَةٌ۔ الخ۔ کی دلالت ہے۔

۳ آیتِ کریمہ: اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔ (سورۂ یوسف:۷۷) اگر یہ چوری کرے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔

یعنی اِنْ سَرَقَ فَلاَ عَجَبَ۔ جس کے حاصلِ مضمون اور علّت پر فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ۔ الخ۔ کی دلالت ہے۔

۴ آیتِ کریمہ: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (سورۂ بقرہ:۹۷) جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اللہ کے حکم سے جبریل نے تو تمھارے دل پر یہ قرآن اتارا ہے۔

یعنی فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لَّهٗ جس پر فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ۔ الخ۔ کی دلالت ہے کہ جبریل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ کیوں کہ جبریل کے ذریعہ تمھارے قلب پر قرآن نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(ہ) کبھی کلام تنکیر کا مقتضی ہوتا ہے جس پر الف لام داخل کر کے اور کبھی اس کی اضافت کر کے کلام کو معرفہ بنا دیا جاتا ہے اور معنی نکرہ کا ہی باقی رہتا ہے۔ مثلاً

۱ آیتِ کریمہ: وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ (سورۂ زخرف:۸۸) اور مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَقِيْلٍ لَّهٗ کو وَ قِيْلِهٖ سے بدل دیا کیوں کہ یہ تلفّظ میں مختصر ہے۔

۲ آیتِ کریمہ: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ۔ (سورۂ واقعہ:۹۵) بے شک یہ اعلیٰ درجہ کی یقینی بات ہے۔

حَقٌّ يَقِيْنٌ کو اضافت کے ساتھ (حَقُّ الْيَقِيْنِ) بیان کیا گیا۔ کیوں کہ یہ تلفّظ میں آسان ہے۔

کبھی کلام کا فطری اسلوب اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ضمیر کو مذکر یا مؤنث یا مفرد لایا جائے۔ لیکن اس فطری اسلوب سے کلام کو نکال کر ضمیر کو مذکر یا مؤنث اور جمع کو بلحاظِ معنیٰ مفرد لایا جاتا ہے۔ مثلاً

۳ آیتِ کریمہ: فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ۔ (سورۂ انعام:۷۸) پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا تو بولے: اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔

۴ آیتِ کریمہ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّاۤ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ۔ (سورۂ بقرہ:۱۷) ان کی مثال اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی تو جب آس پاس جگمگا اٹھا، اللہ ان کا نور لے گیا۔

(و) کبھی تثنیہ کی جگہ مفرد لایا جاتا ہے۔ مثلاً

۱ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورۂ توبہ:۷۴) اور انھیں کیا بُرا لگا؟ یہی نہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا۔

② آیتِ کریمہ: اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّی وَاٰتٰنِی رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ ۔(سورۂ ہود:۲۸) اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہے، تو تم اس سے اندھے رہے۔

عُمِّیَتْ کو بجائے تثنیہ عُمِّیَتَا، لایا گیا۔ کیوں کہ بَیِّنَة اور رَحْمَة دونوں شئی واحد کی طرح ہیں۔ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ میں بھی یہی بات ہے۔ (کہ رسول کا علم اللہ ہی کا عطا کردہ ہے)

(ز) کبھی کوئی کلام جزا کو صورتِ جزا میں، شرط کو صورتِ شرط میں اور جوابِ قسم کو صورتِ جواب قسم میں لانے کا مقتضی ہوتا ہے۔ لیکن کلام میں تصرف کر کے جزا و جوابِ قسم کے جز کو جملہ مستانفہ بنا دیا جاتا ہے۔ اور کوئی ایسی چیز بیان کر دی جاتی ہے جو اس محذوف کی طرف ذہن کی رہنمائی کرے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا۔ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ (سورۂ نازعات:۱تا۶)

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں۔ پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں۔ پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔

یعنی البعثُ والنشرُ حقٌّ۔ اس (محذوف جواب قسم) پر یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ کی دلالت ہے۔

② آیتِ کریمہ: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ (سورۂ بروج:۱تا۴)

قسم آسمان کی جس میں بروج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں، کھائی والوں پر لعنت ہو۔

یعنی المجازاةُ علَی الاعمالِ حقٌّ۔ جس پر قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کی دلالت ہے۔

③ آیتِ کریمہ: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ۔ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ فَمُلٰقِیْهِ۔ (سورۂ انشقاق:۱تا۶)

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے۔ اور اسے سزاوار ہی یہ ہے۔ اور جب زمین دراز کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے اسے ڈال دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم سنے۔ اور اسے سزاوار ہی یہ ہے۔ اے آدمی! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا ہے۔

یعنی اَلْحِسَابُ وَالجزاءُ کَائِنٌ۔ اس (جزائے شرط محذوف) پر یٰاَیُّهَا الاِنسانُ اِنَّکَ کادِحٌ کی دلالت ہے۔

(ح) کبھی اسلوبِ کلام بدل جاتا ہے۔ اس طرح کہ اسلوب، حاضر کا مقتضی ہوتا ہے اور اسے غائب کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ۔ (سورۂ یونس:۲۲) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انھیں لے کر چلے۔

وَجَرَیْنَ بِکُمْ کی جگہ وَجَرَیْنَ بِهِمْ ہے۔

[illegible]

[illegible] ولولا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لا جرم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ [illegible]

[illegible]

[illegible] وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین [illegible]

تک پاؤں دھوؤ۔ یعنی اِغسِلُوا اَرجُلَکُم۔

۶ آیتِ کریمہ: وَلَوْ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَاماً وَّاَجَلٌ مُّسَمّیً۔ (سورۂ طٰہٰ:۱۲۹) اور اگر تمھارے رب کی ایک بات نہ گذر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انھیں لپٹ جاتا اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا۔

یعنی ولولا کَلِمَۃٌ سَبقتْ واَجَلٌ مُّسَمّیً لَکَانَ لِزَاماً۔

۷ آیتِ کریمہ: اِلَّا تَفعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (سورۂ انفال:۷۳) ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

متصل ہے اس آیت سے: فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ۔

۸ آیتِ کریمہ: اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ (سورۂ ممتحنہ:۴) مگر ابراھیم کا اپنے باپ سے کہنا۔

متصل ہے اس آیت سے: قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِی اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ (سورۂ ممتحنہ:۴)

۹ آیتِ کریمہ: یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا۔ (سورۂ اعراف:۱۸۷) تم سے ایسا پوچھتے ہیں، گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔

یعنی یَسْئَلُوْنَکَ عَنْھَا کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا۔

اضافہ وزیادتی

فطری اسلوبِ کلام میں اضافہ اور زیادتی کی مختلف قسمیں ہیں:

(الف) کبھی صفت کے ذریعہ کلام میں زیادتی کی جاتی ہے۔ مثلاً

۱ آیتِ کریمہ: وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ۔ (سورۂ انعام:۳۸) اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پَروں پر اُڑتا ہے۔

۲ آیتِ کریمہ: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعاً ۔اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعاً ۔وَّ اِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعاً۔اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۔(سورۂ معارج:۱۹تا۲۱) بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص۔ جب اسے برائی پہنچے تو سخت گھبرانے والا، اور جب بھلائی پہنچے تو روک رکھنے والا، مگر نمازی۔

(ب) کبھی بدل کے ذریعہ اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوا مِنْ قَوْمِہٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ۔ (سورۂ اعراف:۷۵) اس کی قوم کے تکبر والے کمزور مسلمانوں سے بولے۔

(ج) کبھی عطفِ تفسیر کے ذریعہ زیادتی ہوتی ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ:۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔ (سورۂ احقاف:۱۵) یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا۔

(د) کبھی تکرار کے ذریعہ زیادتی ہوتی ہے۔ مثلاً

۱ آیتِ کریمہ: وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ۔اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ۔ (سورۂ یونس:۶۶) اور کس چیز کے پیچھے جا رہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار رہے ہیں؟ وہ تو پیچھے نہیں جا رہے ہیں مگر گمان کے۔

اصل کلام اس طرح ہے: وَمَا یَتَّبِعُوْنَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ اِلَّا الظَّنَّ۔

② آیتِ کریمہ: وَلَمَّا جَآءَ هُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَمَّا جَآءَ هُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ۔ (سورۂ بقرہ:۸۹)

اور جب ان کے پاس وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے اور وہ اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب ان کے پاس تشریف لایا وہ جانا پہچانا، اس سے منکر ہو بیٹھے۔

③ آیتِ کریمہ: وَ لۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ۔ وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا۔ (سورۂ نساء:۹)

اور ڈریں وہ لوگ کہ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا انھیں کیسا خطرہ ہوتا؟ تو چاہیے کہ اللہ ہی سے ڈریں۔ اور سیدھی بات کریں۔

④ آیتِ کریمہ: يَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ۔ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ۔ (سورۂ بقرہ:۱۸۹) تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں۔ تم کہو: وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے۔

یعنی یہ ہلال لوگوں کے لئے تعیینِ وقت کا ذریعہ ہے اس اعتبار سے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے لئے مشروع فرمایا ہے کہ وہ اس سے تعیینِ وقت کریں۔ اور حج کے لئے اس اعتبار سے کہ اس کے ذریعہ تعیّن وقت حاصل وثابت ہوتا ہے۔

اور اگر یہ فرمایا جاتا کہ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ فِي حَجِّهِمۡ تو یہ کلام مختصر ہوتا لیکن اللہ نے اسے طویل فرمایا۔

⑤ آیتِ کریمہ: لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ۔ (سورۂ شوریٰ:۷) کہ تم ڈراؤ سب شہروں کی اصل مکہ والوں کو اور جتنے اس کے گرد ہیں۔ اور تم ڈراؤ اکٹھے ہونے کے دن سے جس میں کچھ شک نہیں۔ یعنی: تُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى يَوۡمَ الۡجَمۡعِ۔

① آیتِ کریمہ: وَتَرَى الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً۔ (سورۂ نمل:۸۸) اور پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں۔

یعنی تَرَى الۡجِبَالَ جَامِدَةً۔ تَرٰى کے بعد تَحۡسَبُ ہے۔ کیوں کہ رُویت کے متعدد معانی ہیں اور یہاں رُویت سے حسبان مراد ہے۔

⑦ آیتِ کریمہ: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ۔ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ۔ (سورۂ بقرہ:۲۱۳)

لوگ ایک دین پر تھے۔ پھر اللہ نے انبیا بھیجے خوش خبری دیتے اور ڈر سناتے، اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری تا کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے۔ اور کتاب میں اختلاف انھیں لوگوں نے ڈالا جن کو دی گئی۔ بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے، آپس کی سرکشی سے۔ تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی اپنے حکم سے جس میں جھگڑ رہے تھے۔ اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دے۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ کو مربوط و منضبط کلام کے درمیان اس لئے لایا گیا ہے کہ اختلفوا کی ضمیر کا مرجع اور یہ بات واضح ہو جائے کہ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو امتِ دعوت کے اندر بعد نزولِ قرآن ہوا کہ ان میں سے کچھ ایمان لائے اور کچھ کافر ہی رہے۔

تاکید اتصال

کبھی فاعل یا مفعول بہ پر حرفِ جر کا اضافہ کر کے انھیں حرفِ جر کے واسطہ سے فعل کا معمول بنایا جاتا ہے تا کہ اِتصال مؤکد ہو جائے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: يَوْمَ يُحْمىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔ (سورۂ توبہ: ۳۵) جس دن وہ آتشِ جہنم میں تپایا جایائے گا۔ یعنی تُحْمىٰ هِيَ۔

② آیتِ کریمہ: وَ قَفَّيْنَا عَلىٰ اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ (سورۂ مائدہ: ۴۶) اور ہم ان نبیوں کے پیچھے اُن کے نشانِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو لائے۔ یعنی قَفَّيْنَا هم بعيسى ابنِ مريم۔

● یہاں یہ نکتہ جان لینا مناسب ہے کہ واو بہت سی جگہوں پر عطف نہیں بلکہ تاکیدِ اِتّصال کے لیے لایا جاتا ہے۔ مثلاً

① آیتِ کریمہ: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۔خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ۔ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۔ فَكَانَتْ هَبَآءً مُنْبَثًّا۔ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۔ (سورۂ واقعہ: ۱تا۷) جب ہو لے گی وہ ہونے والی، اس وقت اس کے ہونے میں انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، کسی کو پست کر دینے والی کسی کو بلند کر دینے والی، جب زمین کانپے گی تھرا تھرا کر، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر۔ جیسے غبار کے باریک ذرے پھیلتے ہوئے۔ اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔

② آیتِ کریمہ: حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا۔ (سورۂ زُمر: ۷۳) یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے۔

③ آیتِ کریمہ: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (سورۂ آل عمران: ۱۴۱) اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے۔

اسی طرح فاء کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ امام قسطلانی شرح کتاب الحج، باب المعتمر (شرح صحیح بخاری) میں اِذا طاف طوافَ العُمرة ثم خرج هل يجزيه مِن طوافِ الوَداع کے تحت لکھتے ہیں:

● موصوف کے ساتھ صفت کی تاکیدِ اِتصال کے لئے موصوف اور صفت کے درمیان حرفِ عطف لانا جائز ہے۔ مثلاً آیتِ کریمہ: ۔اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ (سورۂ انفال: ۴۹) جب کہتے تھے منافق۔ اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے۔

سیبویہ نے کہا کہ یہ مررتُ بزيدٍ و صاحبِك کی طرح ہے، جب صاحب سے زید مراد لینا ہو۔

زمخشری نے کہا کہ آیتِ کریمہ: وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (سورۂ حجر: ۴) میں وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۔ یہ جملہ قریۃ کی صفت ہے۔ جب کہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ موصوف کے درمیان واو نہ آئے۔ جیسا کہ اس آیتِ کریمہ: وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ۔ (سورۂ شعراء: ۲۰۸) میں ہے۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ صفت کے ساتھ موصوف کے اتّصال کی تاکید کے لئے موصوف صفت کے درمیان واو آتا ہے جیسا کہ حال کے لئے کہا جاتا ہے: جاء نی زیدٌ علیه ثوبٌ۔ اور جاء نی زیدٌ وَعلیه ثوبٌ۔ انتھٰی۔

تعیینِ مرجعِ ضمیر و تعیینِ معنیٰ مراد

کبھی انتشارِ ضمائر کی وجہ سے فہمِ مراد میں دشواری ہوتی ہے اور کبھی ایک کلمہ کے دو یا زیادہ معانی میں سے معنیٔ مراد سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ **اول**، جیسے:

① آیتِ کریمہ: وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (سورۂ زخرف: ۳۷) اور بے شک وہ شیاطین ان کو راہ سے روکتے ہیں اور ایسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔ یعنی: ان الشیاطین لیصدّون الناسَ عنِ السبیل ویحسَبُ الناسُ انّهم مهتدون۔

② دوم جیسے (ا) آیتِ کریمہ: قَالَ قَرِيْنُهٗ۔ (سورۂ ق: ۲۳۔۲۷)

قرین سے ایک جگہ فرشتہ اور ایک جگہ شیطان مراد ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَالَدَيَّ عَتِيْدٌ (سورہ ق: ۲۳) اس کا ہم نشین فرشتہ بولا: یہ ہے جو میرے پاس حاضر ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَا نَ فِيْ ضَلٰلٍ بعيدٍ۔ (سورہ ق: ۲۷) اس کے ساتھی شیطان نے کہا: ہمارے رب! میں نے اسے سرکش نہ کیا۔ ہاں! آپ ہی یہ دور کی گمراہی میں تھا۔

③ آیتِ کریمہ: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ۔ (سورۂ بقرہ: ۲۱۵) تم سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ تم کہو: جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو۔

(ب) وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ۔ (سورۂ بقرہ: ۲۱۹) اور تم سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ تم کہو: جو فاضل بچے۔

پہلی آیت میں یہ سوال ہے کہ کیسا اور کس طرح کا اِنفاق (خرچ) کریں؟ یہ معنی مَصرف کے بارے میں کیے گئے سوال پر صادق آتا ہے۔ کیوں کہ اِنفاق باعتبارِ مصارف کی متعدد قسمیں ہیں۔ دوسری آیت میں یہ سوال ہے کہ کون سا مال خرچ کریں؟

- جعل اور شیء جیسے بعض دیگر الفاظ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے متعدد معانی ہوتے ہیں۔

کبھی جعل بمعنی خلق ہوتا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ (سورۂ انعام: ۱)

کبھی جعل بمعنی اعتقد ہوتا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَمِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْباً۔ (سورۂ انعام: ۱۳۶) اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں سے ایک حصہ دار ٹھہرایا۔

- اور شیء فاعل اور مفعول بہ و مفعول مطلق وغیرہ کی جگہ آتا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ۔ (سورۂ طور: ۳۵) یعنی مِنْ غیرِ خالقٍ۔

آیتِ کریمہ: فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ۔ (سورۂ کہف: ۷۰) یعنی عن شیءٍ مِمّا یتوقّف فیه مِن اَمری۔

● اور امر و نبأ و خطب سے کبھی مُخبَر عنہ مراد ہوتا ہے۔ مثلاً
آیتِ کریمہ: هُوَ نَبَوءٌ اعَظِيْمٌ۔ (سورۂ ص:٦٧) یعنی: قِصةٌ عجيبةٌ۔
● اسی طرح خیر و شر اور ان کے ہم معنی الفاظ کے معانی اپنے مواقع کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔
● اسی قبیل سے انتشارِ آیات کا بھی معاملہ ہے کہ بظاہر سمجھ میں یہ آتا ہے کہ کبھی جو آیت اختتامِ واقعہ پر ہونی چاہیے وہ اس سے پہلے لائی گئی۔ اور پھر یہ قصہ بیان کیا گیا۔
● کبھی کوئی آیت نزول میں مقدّم اور تلاوت میں مؤخّر ہوتی ہے۔ مثلاً
آیتِ کریمہ: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ۔ (سورۂ بقرہ:۱۴۴) نزول میں مقدم ہے اور سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ (سورۂ بقرہ:۱۴۲) مؤخر ہے۔ اور تلاوت اس کے برعکس ہے۔
● کبھی درمیانِ کلام میں کفّار کی باتوں کا جواب دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً
آیتِ کریمہ:۔ وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ۔ اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ۔ (آل عمران:۷۳) اور یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمھارے دین کا پیرو ہو۔ تم فرما دو کہ اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے۔ (یقین کا ہے کا نہ لاؤ) اس کا کہ کسی کو ملے جیسا تمھیں ملا۔

المختصر۔ یہ مباحث بہت تفصیل طلب ہیں۔ ہم نے جتنا ذکر کر دیا وہ کافی ہیں۔ جو سعادت مند افراد قرآنِ حکیم کی تلاوت کے وقت یہ امور پیش نظر رکھیں وہ اِن شاءَ اللّٰہ تھوڑی توجہ اور غور و فکر کے بعد اپنی استعداد و بساط کے مطابق کلامِ الٰہی کی غرض اور اس کا مقصود پالیں گے۔ اور مذکورہ ہدایات و احکام کی روشنی میں غیر مذکور اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف ان کا ذہن و قیاس منتقل ہوتا چلا جائے گا۔

فصلِ خامس

بیانِ محکم و متشابہ و کنایہ و تعریض و مجازِ عقلی

محکم: وہ کلام ہے کہ زبان داں اس کا ایک ہی معنی سمجھے۔ یہاں اعتبار متقدم اہل عرب کی سمجھ کا ہے نہ کہ ہمارے زمانہ کے مُدَقِّقین کی سمجھ کا، جو بے جا موشگافی کرتے ہیں۔ اور یہ فضول تدقیق ایسی لا علاج بیماری ہے کہ محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا دیتی ہے۔

متشابہ: وہ کلام ہے جو دو معانی کا احتمال رکھے۔ جس کے چند اسباب یہ ہیں:

① ضمیر کا مرجع دو ہو سکتے ہوں۔ جیسے کہ ایک شخص نے کہا:
اِنَّ الامیرَ اَمَرَنِی اَنْ اَلْعَنَ فُلَانًا لَعَنَهُ اللّٰهُ۔

② ایک کلمہ دو معانی میں مشترک ہو۔ مثلاً

آیتِ کریمہ:۔ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ۔(سورۂ نساء:۴۳۔سورۂ مائدہ:۶)
لَمس کا معنی جماع کرنا بھی ہے اور ہاتھ سے چھونا بھی ہے۔

③ کلمہ کا عطف قریب اور بعید دونوں پر ہوسکتا ہو۔مثلاً
آیتِ کریمہ:۔وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ۔(سورۂ مائدہ:۶)
کسرہ والی قرأت میں بِرُءُ وْسِکُمْ پر بھی عطف ہوسکتا ہے۔

④ جملہ میں عطف کا بھی اور استیناف کا بھی احتمال ہے۔مثلاً
آیتِ کریمہ:۔وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ۔
(سورۂ آل عمران:۷)

کنایہ: کنایہ اسے کہتے ہیں کہ کوئی حکم ثابت کر کے اس سے بعینہٖ وہ مراد نہ لیا جائے بلکہ مقصود یہ ہو کہ ذہنِ مخاطب اس کے لازمِ معنی کی طرف منتقل ہو، خواہ یہ لزوم عادی ہو یا عقلی۔جیسا کہ عظیمُ الرَّماد (زیادہ راکھ والا) معنی کے لحاظ سے کثیرُ الضیافۃ شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔اور آیتِ کریمہ:۔ بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔
(سورۂ مائدہ:۶۴) سے سخاوت کا معنی سمجھا جاتا ہے۔

● اسی قبیل سے معنیِ مراد کو محسوس صورت میں پیش کرنا ہے۔اہلِ عرب کے اشعار و خطبات کا یہ ایک وسیع باب ہے۔اور قرآنِ حکیم و احادیثِ نبوی اس سے مملو ہیں۔مثلاً

آیتِ کریمہ:۔وَاَجْلِبْ عَلَیْھِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ۔(سورۂ بنی اسرائیل:۶۴) اور ان پر اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کی لام بندی کر۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی ہے، جب وہ اپنے ساتھ والے شیطانوں کو آواز دیتا ہوا کہتا ہے کہ ادھر سے آؤ اور ادھر سے گھس پڑو۔

آیتِ کریمہ: وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا۔(سورۂ یٰس:۹)
اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔

آیتِ کریمہ: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا۔(سورۂ یٰسٓ:۸) ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں۔

آیاتِ قدرت میں تدبُّر سے اعراض کرنے والے کافروں کو اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس کے دونوں ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی گئی ہو۔یا ایسے شخص سے جس کے گرد ہر طرف سے دیوار چُن دی گئی ہو اور وہ بالکل نہ دیکھ سکے۔

آیتِ کریمہ: وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ۔(سورۂ قصص:۳۲)
اور اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لے، خوف دور کرنے کو۔ یعنی اپنا دل تھام کر اضطراب اور پریشاں خاطری دور کرلو۔

عُرف میں اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی شخص کی شجاعت ظاہر کرنے کے لئے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ: فلاں اِدھر سے حملہ کرتا اور مارتا ہے۔اُدھر سے حملہ کرتا اور مارتا ہے۔اور اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا

کہ صفتِ شجاعت سے دوسروں پر اس کے غلبہ کا اظہار کیا جائے۔ اگر چہ زندگی بھر اس نے تلوار کو ہاتھ نہ لگایا ہو۔

یا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مجھ سے مبارزت و مقابلہ کر سکے۔ یا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: فلاں شخص ایسا ایسا کرتا ہے۔ جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ دشمن پر غلبہ کے وقت اہلِ مبارزت کی یہ ہیئت ہوتی ہے۔ اگر چہ اس شخص نے کبھی یہ کام نہ کیا ہو اور نہ کبھی یہ بات کہی ہو۔

یا کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے میرا گلا گھونٹ دیا اور میرے منہ سے لقمہ چھین لیا۔

تعریض: تعریض یہ ہے کہ کسی عام یا غیر معین بات کا ذکر کیا جائے اور کسی خاص شخص کے حال کا بیان یا کسی متعین شخص کے حال پر تنبیہ مقصود ہو۔ کلام کے دوران اس شخص کی بعض خصوصیات ذکر کر دی جاتی ہیں جن کے ذریعہ مخاطب اس شخص سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

ایسی جگہ مطالعۂ قرآن کرنے والے کو تردد ہوتا ہے اور وہ اصل قصہ اور متعلقہ بات جاننا چاہتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلّی اللّٰہ تعالی علیه وسلّم کسی شخص پر جب نکیر کرنا چاہتے تھے تو فرماتے تھے کہ مابال اقوام یفعلون کذا و کذا۔

اور قرآنِ حکیم میں ہے: آیتِ کریمہ:۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (سورۂ احزاب: ۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت میں حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش پر تعریض ہے۔

آیتِ کریمہ:۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (سورۂ نور: ۲۲)

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی۔

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہ پر تعریض ہے۔

جب تک واقعہ معلوم نہ ہو، اس طرح کے حالات اور صورتوں میں قرآنِ حکیم کا مطلب صحیح طور پر لوگ نہیں سمجھ پائیں گے۔

مجازِ عقلی: مجازِ عقلی یہ ہے کہ فاعل کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف فعل کی نسبت ہو۔ یا جو حقیقت میں مفعول بہ نہیں ہے اس کو مفعول بہ بنایا جائے۔ دونوں کے درمیان علاقۂ مشابہت کی وجہ سے ایسا کیا جائے۔ اور متکلم کے نزدیک یہ (غیر فاعل یا غیر مفعول بہ) اسی (فاعل یا مفعول بہ) کے شمار میں ہو اور اس کا ایک فرد ہو۔ مثلاً (۱) بنی الاَمِیْرُ الْقَصْرَ۔ امیر نے محل تعمیر کیا۔ حالاں کہ امیر کے حکم سے محل کی تعمیر اس کے معمار کرتے ہیں۔ (۲) انبت الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ۔ موسم ربیع نے سبزہ اُگایا۔ حالاں کہ موسم ربیع میں سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۔ واللّٰہُ تعالیٰ اَعلمُ بالصّواب۔

بابِ ثالث

قرآنِ حکیم کے اسلوبِ بدیع کا بیان

فصلِ اول

اسلوبِ ترتیبِ قرآن

عام کتبِ مُتون کی طرح قرآنِ حکیم مبوَّب ومفصَّل نہیں ہے کہ اس کا ہر حکم اور مسئلہ کسی ایک باب یا فصل میں مذکور ہو۔ بلکہ قرآنِ حکیم کو مجموعۂ مکتوبات کی طرح سمجھنا چاہیے۔ جس طرح سلاطین اپنی رعایا کے پاس مقتضائے حال کے مطابق حکم نامہ صادر کرتے ہیں۔ اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد دوسرا فرمان صادر کرتے ہیں۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے تا آں کہ بہت سے فرامین اسی طرح کے جمع ہو جاتے ہیں جنھیں کوئی شخص مدوّن کر کے ان کا ایک مرتّب مجموعہ تیار کر دیتا ہے۔ اسی طرح مالکُ الملک اور حاکمِ حقیقی نے اپنے پیغمبر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر بندوں کی ھدایت کے لئے ایک کے بعد ایک سورہ نازل فرمایا۔ ہر سورہ اور اس کا نزول مقتضائے حال کے مطابق تھا۔

رسولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے مبارک ومسعود زمانہ میں ہر سورہ کو علیحدہ علیحدہ محفوظ ومنضبط رکھا گیا۔ لیکن سورتوں کی یکے بعد دیگرے ترتیب وتدوین اس دور میں نہ تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عنہُما کے دورِ خلافت میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں تمام سورتیں جمع ہوئیں۔ اور اس مجموعہ کا نام مُصْحَف رکھا گیا۔[1]

صحابۂ کرام کے نزدیک اِن چار اقسام میں سبھی سورتیں منقسم تھیں:

(۱) عہدِ رسالت میں پورا قرآن سرکار کے حکم کے مطابق لکھ لیا گیا تھا مگر تمام سورتوں کی آیات یکجا مرتب نہ تھیں، اور سورتوں کی باہمی ترتیب کے ساتھ کتابت تو اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ ہاں صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھ کر زبانی طور پر جو تلاوت کرتے تھے اس میں ایک سورہ کی تمام آیات ترتیب وار ہوتیں، اسی طرح جب پورے قرآن کا دور کرتے تو اس میں سورتوں کے درمیان بھی ترتیب ہوتی۔

عہدِ صدیقی میں ایک ایک سورہ کی آیات ترتیب وار قیدِ تحریر میں لائی گئیں اور تمام سورتیں صحیفوں کی شکل میں جمع ہو گئیں پھر عہدِ عثمانی میں ان صحیفوں کو ایک مصحف میں نقل کیا گیا، اُس وقت سورتوں کو بھی سرکار سے سیکھی ہوئی ترتیب کے مطابق اول تا آخر مرتب کر کے یکجا شیرازہ بندی کر دی گئی۔ تفصیل امام سیوطی کی ''الاتقان فی علوم القرآن'' اور ''تدوینِ قرآن'' از محمد احمد مصباحی میں دیکھیں۔ حاصل یہ کہ عہدِ رسالت میں پورے قرآن کی کتابت تھی مگر کتابۂ آیات وسُوَر میں ترتیب نہ تھی، عہدِ صدیقی میں ہر سورہ میں اس کی تمام آیات مرتب ہو کر کتابت میں آ گئیں مگر تمام سورتوں کو باہم مرتب کر کے ان کی یکجا شیرازہ بندی نہ ہوئی، یہ کام عہدِ عثمانی میں ہوا۔ مترجم

قسم اول:۔ سَبْع طِوَال۔ جو طویل ترین سورتیں ہیں۔

قسم ثانی:۔ المِئُون۔ جن میں ہر سورت سو(۱۰۰) یا اس سے کچھ زیادہ آیات پر مشتمل ہے۔

قسم ثالث:۔ المَثانِی۔ جن سورتوں میں سو(۱۰۰) سے کم آیات ہیں۔

قسم رابع:۔ المفصَّل۔

دو یا تین سورتیں جو المَثانِی کی ہیں وہ المِئُون کے مضمونِ کلام کی مناسبت سے المِئُون میں شامل ہیں۔ بعض دوسری سورتوں کی ترتیب میں بھی اس طرح ملے گا۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہُ نے مصحف شریف کی متعدد نقول کرا کے انھیں مختلف بلاد وأمصار میں بھیج دیا کہ اہلِ اسلام ان سے ہی استفادہ کریں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف ان کی توجہ نہ ہو۔

قرآنی سورتوں کے اسالیب چوں کہ شاہی فرامین سے مناسبتِ تامہ رکھتے ہیں اس لئے ابتدا وانتہا میں طریقۂ مکتوب کی رعایت فرمائی گئی ہے۔ جس طرح بعض فرامین، حمدِ الٰہی سے شروع ہوتے ہیں۔ بعض کے آغاز میں فرمان لکھنے کا مقصد ہوتا ہے۔ بعض کے شُروع میں مُرسِل اور مُرسَل اِلَیہ کے نام کی صراحت ہوتی ہے۔ بعض رقعات اور چٹھیاں بغیر کسی عنوان کے ہوتی ہیں۔ بعض طویل اور بعض مختصر ہوتی ہیں۔ اسی انداز سے اللہ تعالیٰ نے حمد یا تسبیح سے بعض سورتوں کو شروع فرمایا ہے اور بعض سورتوں کے آغاز میں تنزیل کا مقصد واضح فرمایا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ:۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (سورۂ بقرہ:۲)

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اِس میں، ھدایت ہے ڈر والوں کے لئے۔

آیتِ کریمہ:۔ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا۔ (سورۂ نور:۱) یہ ایک سورہ ہے جو ہم نے اتاری اور اس کے احکام ہم نے فرض کیے۔

یہ قسم مندرجہ ذیل تحریروں کے مشابہ ہے:

هٰذا ما صالَحَ علیه فُلانٌ وفُلانٌ۔ وهٰذا ما اوصیٰ به فُلانٌ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر فلاں اور فلاں نے مصالحت کی۔ یہ فلاں کا ھدایت نامہ روصیت نامہ ہے۔

رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیه وسلّم نے صلح حدیبیہ کے واقعہ میں تحریر فرمایا: هٰذا ما قاضیٰ علیه محمد (صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیه وسلّم)

بعض سورتوں کے شروع میں مُرسِل اور مُرسَل اِلیہ کا ذکر ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ (سورۂ جاثیہ:۲، سورۂ احقاف:۲)

آیتِ کریمہ: کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔ (سورۂ ھود:۱)

اور یہ قسم اس طرح کی تحریروں کے مشابہ ہے کہ:

"دربارِ خلافت سے یہ حکم صادر ہوا"۔ یا۔ "دربارِ خلافت سے فلاں شہر کے لوگوں کو یہ خبر دی جاتی ہے کہ۔ الخ

اور پیغمبرِ اسلام صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیه وسلّم تحریر فرماتے ہیں: مِن محمدٍ رسولِ اللّٰه اِلیٰ هِرَقْل

عظیم الروم-

بعض سورتیں رقعات اور چٹھیوں کے طرز پر بلا عنوان ہیں۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ ۔ (سورۂ منافقون:۱)

آیتِ کریمہ: قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا۔ (سورۂ مجادلہ:۱)

آیتِ کریمہ: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ۔ (سورۂ تحریم:۱)

چوں کہ عربوں کی فصاحتِ کلام، قصائد کے ذریعہ مشہور تھی۔ اور قصائد کے آغاز میں تشبیب ان کی روایت تھی۔ جس میں عجیب وغریب مقامات اور ہولناک واقعات ذکر کرتے تھے تو یہ اسلوب بھی بعض سورتوں میں اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ (سورۂ صافات:۱،۲)

آیتِ کریمہ: وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ (سورۂ ذاریات:۱،۲)

آیتِ کریمہ: اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔ (سورۂ تکویر:۱،۲)

جس طرح شاہی فرامین کا اختتام جامع کلمات، اہم ونادر ہدایات، احکام مسطورہ کی پابندی والتزام کی انتہائی تاکید، اور ان کی مخالفت کرنے والوں کے لئے سخت وعید وتہدید، پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جامع کلمات، حکیمانہ ہدایات اور تاکید بلیغ وتہدید شدید پر سورتوں کا اختتام فرمایا ہے۔

کبھی سورتوں کے درمیان ایسا کلام ہوتا ہے جو نہایت بلیغ ہونے کے ساتھ نفع عظیم واسلوب بدیع پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ کلام حمد وتسبیح یا انعام واحسانِ الٰہی کی کسی نوع پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے مراتب خالق ومخلوق کا فرق واضح کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

آیتِ کریمہ: ۔قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءٰآللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (سورۂ نمل:۵۹) تم کہو: سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چُنے ہوئے بندوں پر۔ کیا اللہ بہتر ہے یا ان کے ساختہ شریک؟

اس کے بعد پانچ آیات میں یہ مضمون نہایت بلیغ طرز اور نادر اسلوب میں بیان فرمایا گیا۔

سورۂ بقرہ کے درمیان بنی اسرائیل سے اس طرح مخاصمہ فرمایا گیا ہے:

آیتِ کریمہ: ۔یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا ۔ الخ (سورۂ بقرہ:۴۷)

اسی کلام پر اس کا اختتام بھی ہے۔ اس کلام سے مخاصمہ کی ابتدا وانتہا بلاغت کا اعلیٰ مقام ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں یہود ونصاریٰ سے مخاصمہ کا آغاز اس ارشادِ ربانی کے ساتھ ہے:

آیتِ کریمہ: ۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (سورۂ آلِ عمران:۱۹)

تاکہ محلِ نزاع واضح ہو جائے اور کلام اسی کے گرد دائر رہے۔

واللّٰہُ تعالیٰ اَعلمُ بِحقیقۃِ الحال

فصلِ ثانی

سورتوں کی آیات اور ان کا منفرد اسلوب

(اسلوبِ بلاغتِ قرآن)

سورتوں میں یہ سُنّتِ الٰہیہ جاری ہے کہ اس نے آیتوں میں ان کی تقسیم فرمادی ہے۔ جیسا کہ قصائد کو اشعار واَبیات میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔

آیات واَبیات کے درمیان فرق کے سلسلے میں واضح اور فیصلہ کن بات جو کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ایسے نغمے ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کے لئے لذت واہتزاز کا باعِث بنتے ہیں۔ مگر اَبیات، خَلیل بن احمد کے اُن مدوّن عَروض وقَوافی کے ساتھ مقیّد ہوتے ہیں جنھیں شُعَرانے خَلیل بن احمد سے سیکھا ہے۔ جب کہ آیاتِ کریمہ کی بنا اُن اِجمالی اوزان وقوافی پر ہے جو فطری اسلوب کے عین مطابق ہیں۔ اہلِ عَروض کے اَفاعیل وتَفاعیل اور ان کے معیَّن قوافی پر نہیں جو مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں۔

آیات واَبیات کے درمیان ایک امرِ مشترک یہ ہے کہ اس امرِ عام (بمنزلۂ جنس) کو نشایَد (منظوم کلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دونوں کے اندر نغمگی ہے۔ پھر آیات کے اندر جن امور کا التزام ہے اور یہ امور بمنزلۂ فصل ہیں، ان کا منضبط بیان اور مذکور امرِ مشترک کی تنقیح، یہ دونوں باتیں تفصیل طلب ہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ وَلِیُّ التَّوفیق۔

تفصیل اس اِجمال کی یہ ہے کہ موزوں ومقفّٰی قصیدہ اور دل کش منظوم کلام وغیرہ سے انسان کی فطرتِ سلیمہ لطف ولذت اور حلاوت وشیرینی کا اِحساس واِدراک کرتی ہے۔ یہ لطف وحلاوت کیوں ہے؟ اس کا سبب جاننے کی جب کوئی شخص کوشش اور غور کرتا ہے تو اسے سمجھ میں آتا ہے کہ اَجزاے کلام جب ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں تو مخاطب وسامع کے لئے لذت بخش ہوتے ہیں۔ اور اسی جیسے دوسرے کلام کا اسے منتظر بنادیتے ہیں۔ اور جب اسی تَوافُق واِنسجام کے ساتھ وہ دوسرا بیت سنتا ہے جس کا وہ منتظر ہے تو اس کی لذت دوبالا ہوجاتی ہے۔ پھر جب ہم قافیہ دو بیت ہوں تو یہ لذت سہ گنا ہوجاتی ہے۔ اسی راز کی وجہ سے ابیات سے لذت اندوز ہونا انسان کی قدیم فطرت ہے جس پر معتدل بلاد واَمصار کے سلیم المِزاج اور باذوق انسان متفق ہیں۔

پھر ہر شعر کے اَجزا کے تَوافُق اور اشعار کے اندر مشترک قوافی کی شرطوں کے سلسلے میں مختلف طریقے اور عادات وروایات رواج پذیر ہوئے۔ چنانچہ عربوں کے درمیان خَلیل بن احمد نحوی کے مرتَّبہ اصول وضوابط کا رواج ہے۔ اور اہلِ ہند اپنے فطری ذوق اور لسانی سلیقہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر دور اور ہر عہد کے لوگ کوئی خاص وضع اور طریقہ اختیار کرتے چلے آرہے ہیں۔

جب ہم مختلف عادات اور طریقوں میں امرِ جامع اور منتشر راز کے بارے میں غور کریں گے تو اس نتیجہ تک

پہنچیں گے کہ صرف ایک تقریبی توافق ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اہل عرب مستفعلن کی جگہ مفاعلن اور مفتعلن کا استعمال کرتے ہیں۔ اور فاعلاتن کی جگہ فعلاتن کو قاعدہ کے مطابق شمار کرتے ہیں۔ اور ایک شعر کی ضرب کو دوسرے شعر کی ضرب سے، ایک شعر کے عروض کو دوسرے شعر کے عروض کے ساتھ موافقت، ان کے نزدیک بے حد اہم ہے۔ اور حشو میں وہ زحافات کثیرہ کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ فارسی شعرا کے نزدیک یہ زحافات، قبیح اور معیوب ہیں۔

اسی طرح ایک شعر کا قافیہ اگر قَبُوْراً ہو اور دوسرے شعر کا مُنِیْراً ہو تو اہل عرب اسے بہتر سمجھتے ہیں۔ جب کہ شعرائے عجم اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ اسی طرح شعرائے عرب حاصل، مداخل اور نازل کو ہم قافیہ سمجھتے ہیں۔ جب کہ شعرائے عجم کے یہاں ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح ایک کلمہ کا نصف جز پہلے مصرع اور نصف دوسرے مصرع میں ہو تو شعرائے عرب اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور شعرائے عجم اسے صحیح نہیں سمجھتے۔

بالجملہ! عربی و فارسی شاعری میں امر جامع و مشترک ایک تقریبی توافق ہے نہ کہ حقیقی توافق۔

اہل ہند (ہندو۔ کہ بطور تغلیب یہاں وہی مراد ہیں) نے اپنے اشعار کے اوزان حروف کی تعداد پر رکھے ہیں جن میں حرکات و سکنات کا کوئی لحاظ نہیں۔ اس کے باوجود ان کا کلام بھی لذت بخش ہوتا ہے۔ میں نے خود بعض دیہاتیوں کو گاتے سنا ہے جسے وہ لذت و سرمستی میں گاتے ہیں۔ ان کے ایسے کلام میں تقریبی توافق ہوتا ہے۔ وہ ایسی ردیف لاتے ہیں جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی اس سے زائد ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ لذت و فرحت کے ساتھ قصائد پڑھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر قوم اپنی نظموں میں ایک خاص اسلوب رکھتی ہے جس پر وہ عمل پیرا ہوتی ہے۔

اسی طرح دنیا کی ساری قومیں لحن اور نغمہ سے لذت اندوز ہوتی ہیں۔ البتہ ان کے گانے کے قواعد و ضوابط اور طور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔

اہل یونان نے گانے کے کئی اوزان (راگ) وضع کر رکھے ہیں جنھیں وہ ''مقامات'' کا نام دیتے ہیں۔ ان مقامات کے ذریعہ انھوں نے طرح طرح کی آوازیں اور کئی قسمیں نکال رکھیں ہیں۔ اس سلسلے میں اہل یونان کا اپنا ترتیب دیا ہوا ایک مبسوط و مفصل فن بھی ہے۔

اہل ہند (ہندو) کے یہاں بھی چھ طرح کے نغمات (راگ) ہیں جن سے بہت سی راگنیاں انھوں نے نکال رکھی ہیں۔ یہاں کے بہت سے دیہاتیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقامات و نغمات کی اصطلاحات سے بھی واقف نہیں اور صرف اپنے فطری ذوق و سلیقہ کی بدولت شعر کہنا بھی جانتے ہیں اور اسے خوش الحانی سے پڑھنا بھی جانتے ہیں۔ مگر شاعری کی کلیات و جزئیات کے ضبط و احاطہ سے انھیں کوئی واسطہ نہیں۔

ان معروضات کے بعد ہماری بصیرت کا فیصلہ یہی ہوگا کہ تقریبی توافق کے علاوہ کوئی امر مشترک نہیں ہے۔ محل گوش کردہ اجمالی خلاصہ ہی سے غرض ہے۔ اسے ردیف و قافیہ کی تفصیلات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ذوق سلیم کو بحر طویل و بحر مدید نہیں بلکہ حلاوت و شیرینی پسند ہے۔

خالق کائنات جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ کی مشیت ہوئی کہ مشت خاک سے پیدا ہونے والے انسان سے خطاب فرمائے تو اس نے محض اجمالی حسن اور مشترک جمال کو ملحوظ رکھا اور ان اشکال و قوالب کی رعایت نہیں فرمائی جو کسی قوم

کے یہاں پسندیدہ اور کسی کے یہاں ناپسندیدہ ہیں۔آدمیوں کے معیارِ فہم کے پیشِ نظر مالکُ المُلک کی مشیت ہوئی کہ انسانی اسلوب میں فطری سادہ بنیاد پر ان سے خطاب کیا جائے جس میں حالات وعادات کے ساتھ بدلنے والے قواعد وضوابط کا کوئی التزام نہ ہو۔

اصطلاحی قواعد وضوابط کے التزام اور ان سے چمٹے رہنے کی بنیاد عجز وجہل ہے۔ان قواعد سے بے نیاز رہ کر اجمالی حُسن اس طرح پیدا کر دینا کہ بیان کی گھاٹیوں اور چوٹیوں پر مضبوط گرفت ہو اور کسی نشیب وفراز میں کلام بے سود نہ ہونے پائے۔یہ طرز (معجزہ) عاجز ولا جواب کر دینے والا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس طرزِ کلام سے میں ایک اصل نکالتا اور اسے ایک قاعدہ کی شکل میں پیش کرتا ہوں۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ:

قرآنِ حکیم کی اکثر سورتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آواز کی کشش اور سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے اور ان میں بحرِ طویل ذکر مدید وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اسی طرح فواصلِ قرآن میں حرفِ مدّ پر سانس کے ٹوٹنے کا اور اس حرف پر جس پر حرفِ مدّ کا اعتماد ہے، اس کا لحاظ ہے۔قواعدِ فنِ قوافی کا اس نے کوئی اعتبار ولحاظ نہیں فرمایا ہے۔

یہ ضابطہ کچھ تفصیل طلب ہے جسے توجہ سے پڑھ اور سن کر سمجھنے کی کوشش کریں۔گلے میں سانس کی آمد ورفت انسان کے لیے ایک فطری چیز اور فطری عمل ہے۔ہر چند کہ سانس کی درازی وکوتاہی مقدورِ بشر ہے تاہم اسے اگر فطری حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سانس لازماً دراز ہی ہوگی۔سانس جب باہر آتی ہے تو انسان کو فرحت ونشاط پہنچاتی ہے۔پھر رفتہ رفتہ نشاط کم ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور انسان کو تازہ سانس لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سانس کی درازی ایک مبہم حد کے اندر محدود ہوتی ہے اور منتشر مقدار میں اس کا اندازہ ہے کہ دو یا تین کلموں بلکہ بقدرِ ثُلث ورُبع کی کمی کوئی ضرر نہیں پہنچاتی۔اسی طرح دو یا تین کلموں بلکہ بقدرِ ثُلث ورُبع کی زیادتی اسے اس کی حد سے باہر نہیں کرتی۔سانس کی یہ درازی تعدادِ اوتاد واَسباب کے مختلف ہونے اور بعض ارکان کو بعض پر مقدم ہونے کی گنجائش رکھتی ہے۔

سانس کی اس درازی کو وزن بنایا گیا ہے اور اسے تین قسموں پر منقسم کیا گیا ہے:

(۱) طویل (۲) متوسط (۳) قصیر۔

طویل: مثلاً سورۂ نساء۔متوسط:۔مثلاً سورۂ اَعراف وسورۂ اَنعام۔قصیر:۔مثلاً سورۂ شُعَراء وسورۂ دُخَان۔

وہ حروفِ مدّہ جن کا کسی حرف پر اعتماد ہو اس پر سانس کا ٹوٹنا قرآنِ حکیم میں ایک وسیع قافیہ ہے۔جسے طبعِ سلیم کا ذوق پسند کرتا ہے اور اس کا اِعادہ وتکرار باعثِ فرحت ولذت ہوتا ہے۔اگر چہ وہ حرفِ مدّہ کہیں الف، کہیں واو اور کہیں یا ہو۔اور وہ حرفِ اخیر کہیں با ہو اور کہیں ج یا ق ہو۔اسی لئے یعلمون۔مؤمنین۔مستقیم باہم موافق ہیں۔اور خروج، مَرِیج، تَجِید، تَبار، عُوَاق، عُجَاب، یہ سب قاعدہ وضابطہ کے مطابق ہیں۔

کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی وسیع قافیہ ہے جس کا اِعادہ لذت بخش ہے، اگر چہ حرفِ رَوی مختلف ہو۔اسی لئے کہیں کریماً کہیں حدیثاً کہیں بصیراً آتا ہے۔اور اگر حرفِ روی کی موافقت کا اس صورت میں اِلتزام کیا جائے تو وہ از قبیلِ اِلتزام مالایلزَم ہوگا۔جیسا کہ سورۂ مریم وسورۂ فرقان کے اوائل میں واقع ہے۔

اسی طرح آیات کے اندر کسی ایک حرف کی موافقت، مثلاً سورۂ قتال میں م، اور سورۂ رحمٰن میں ن، کا بار بار آنا باعث فرحت ولذّت ہوتا ہے۔

اسی طرح کچھ کلام کے بعد کسی ایک جملہ کا اعادہ لذت بخش ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ شعراء وسورۂ قمر وسورۂ رحمٰن وسورۂ مرسلات میں ہے۔

کبھی ذہن سامع میں شگفتگی پیدا کرنے اور کلام کی لطافت اجاگر کرنے کے لئے سورت کے آخری حصے کے فواصل، اس کے اوائل سے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً سورۂ مریم کے آخر میں اِدًّا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا۔ (سورۂ مریم:۸۹) اور هَدًّا۔ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔ (سورۂ مریم:۹۰) سورۂ فرقان کے آخر میں سَلٰمًا۔ (سورۂ فرقان:۶۳) اور کِرَامًا۔ (سورۂ فرقان:۷۲) سورۂ ص کے آخر میں طِيْن۔ (سورۂ ص:۷۱) اور سٰجِدِيْن۔ (سورۂ ص:۷۲) اور الْمُنْظَرِيْن۔ (سورۂ ص:۸۰) جیسے فاصلے ہیں، جو ان سورتوں کے اوائل سے مختلف ہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

وزن وقافیہ جن کی وضاحت گذر چکی ہے، ان کی اکثر سورتوں میں نہایت اہمیت ہے۔ آیت کے آخر کا لفظ اگر قافیہ بن سکتا ہے تو اسے ہی قافیہ بنایا جاتا ہے۔ ورنہ کوئی جملہ آخر میں ایسا ملایا جاتا ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا بیان یا مخاطب کے لئے تنبیہ ہو۔ مثلاً

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ (سورۃ الانعام:۱۸و۷۳) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ (سورۃ النساء:۹۲) بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ (سورۃ الفتح:۱۱) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ:۲۱و۶۳) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (سورۃ آل عمران:۱۹۰) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (سورۃ الرعد:۳۔ سورۃ الزمر:۴۲۔ سورۃ الجاثیہ:۱۳)

اس طرح کے بعض مواقع پر اطناب سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ (سورۃ الفرقان:۵۹)

کبھی تقدیم وتاخیر اور کبھی قلب وزیادتی بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً اِلْيَاس میں اِلْ يَاسِيْن اور طُوْرِ سِيْنَا میں وَطُوْرِ سِيْنِيْن۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ رائج کہاوت کی طرح ہونے یا آیت میں بار بار ذکر کی وجہ سے کلام کی سلاست اور زبان پر اس کی سہولت، طویل کلام کو بھی مختصر کلام کے ہم وزن بنا دیتی ہے۔ اور کبھی ابتدائی فقرے، آنے والے فقرے سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، جس سے کلام میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۔ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۔ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ (سورۃ الحاقہ:۳۲) اسے پکڑو، پھر اسے طوق ڈالو۔ پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ۔ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے، اسے پرودو۔

گویا اس طرح کے کلام میں متکلم یہ لحاظ رکھتا ہے کہ پہلا فقرہ دوسرے فقرہ کے ساتھ مل کر ایک پلڑے میں اور تیسرا فقرہ تنہا ایک پلڑے میں ہے۔

کبھی آیت تین ارکان والی ہوتی ہے۔ مثلاً:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا

خٰلِدُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران:۱۰۶'۱۰۷)

جس دن کچھ منہ اُجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔ تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے، کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے؟ تو اَب عذاب چکھو، اپنے کفر کا بدلہ۔ اور وہ جن کے منہ اجالے ہوئے، وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

عام لوگ پہلے رکن کو دوسرے کے ساتھ ملا کر آیت کو طویل سمجھنے لگتے ہیں۔

کبھی ایک ہی آیت میں دو فاصلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شعر میں بھی اس طرح کے فاصلے ہوتے ہیں۔

كَالزَّهْرِفِي تَرَفٍ ،وَالْبَدْرِفِي شَرَفٍ وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ ،وَالدَّهْرِ فِي هِمَمٍ

(وہ لطافت میں کلی، شرف وعظمت میں بدر، سخاوت میں سمندر اور ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں)

کبھی ایک آیت، دیگر آیات سے طویل ہوتی ہے۔ جس کا راز یہ ہے کہ وہ حُسنِ کلام جو تقاربِ وزن وقافیہ سے پیدا ہوتا ہے اُسے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور وہ حُسنِ کلام جو سہولتِ اَدا و موافقتِ طبعِ کلام وعدمِ تغیر سے پیدا ہوتا ہے اسے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو فطرتِ سلیم حُسنِ کلامِ معنوی کو ترجیح دیتی ہے اور حُسنِ ظاہری کے پہلے انتظار کو چھوڑ کر حُسنِ معنوی کے دوسرے انتظار کا حق ادا کیا جاتا ہے۔

آغازِ بحث میں ہم نے کہا ہے کہ: اکثر سورتوں میں اللہ کی سنت یہی ہے۔ یہ بات ہم نے اس لئے کہی ہے کہ بعض سورتوں میں اس قسم کے وزن وقافیہ کی رعایت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کے کچھ حصے، خطیبوں کی خطابت اور دانش مندوں کے اقوال وامثال کی طرح ہیں۔ آپ نے عورتوں کی وہ حکایت سنی ہوگی جو حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ اور اس کے قوافی سے واقف ہوں گے۔ [یعنی حدیث ام زرع جو بخاری وغیرہ صحاح میں مروی ہے]

بعض سورتوں کی آیات، عربوں کے رسائل ومکتوبات کے اسلوب میں ہیں۔ جن میں کسی بات کی رعایت نہیں ہے۔ جیسے لوگوں کی ایک دوسرے سے باتیں ہوتی ہیں، یہی انداز ان میں بھی ہے۔ مگر آیات کے اندر ہر کلام ایسی بات پر ختم کیا جاتا ہے جو اختتام کے لائق ہو۔

اس کے اندر راز یہ ہے کہ عربی زبان میں وقف ایسی جگہ کیا جاتا ہے جہاں سانس ٹوٹ رہی ہو اور گفتگو کا نشاط ختم ہو چکا ہو۔ بہتر یہ ہوتا ہے کہ محلِ وقف وہ ہو جہاں سانس حروف مدّہ پر ٹوٹے۔ کچھ اسی صورت اور اسی انداز سے آیات کی صورت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو فقیر (ولی اللہ دہلوی) پر منکشف ہوئی ہیں۔ واللّٰہُ تعالیٰ اَعلم۔

فوائد

اگر یہ سوال ہو کہ قرآن حکیم میں علوم خمسہ کے مطالب ایک جگہ کی بجائے بار بار کیوں بیان کیے گئے ہیں؟ تو اس کے **جواب** میں ہم کہیں گے کہ سامع کو ہم فائدہ پہنچانا چاہیں تو اس اِفادہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ اس کا مقصود صرف یہ ہو کہ جو چیز معلوم نہیں اس کی تعلیم دے دی جائے۔ ایسی صورت میں

مخاطب جو علم نہیں جانتا تھا اور اس کا ذہن اسے نہ سمجھ سکا تھا وہ یہ کلام سن کر جان جاتا ہے اور مجہول شئی اس کے نزدیک معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا مقصود اس علم کی صورت کو اس کی قوت مدرکہ میں متحضر کرنا ہوتا ہے۔ جس سے وہ خوب لذت پائے اور اس کی قلبی وادراکی قوت اس علم میں فنا ہو جائے اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب آجائے۔ جس طرح وہ شعر جس کا ہم معنیٰ جانتے ہیں پھر بھی اسے بار بار دُہراتے ہیں۔ اور ہر بار ہمیں ایک نئی لذت ملتی ہے۔ اور اس لذت کے لئے اس شعر کی تکرار پسند کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں علوم خمسہ کا ہر مضمون و مطلب اسی طرح کے دو افادات پر مبنی ہے۔ ناواقف کو جو معلوم نہیں ہے اسے بتانا اور واقف کو اعادہ و تکرار کے ذریعہ ان علوم کے رنگ میں رنگین کر دینا۔ البتہ اکثر مباحثِ احکام میں تکرار نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ افادۂ دوم وہاں مطلوب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے صرف فہمِ قرآن کے حکم پر اکتفا نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ بار بار اور بکثرت تلاوتِ قرآن کا حکم دیا ہے۔ صرف فہمِ معنیٰ پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔

تکرارِ مضامین و مطالب میں اکثر جگہوں پر یہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے کہ شگفتہ عبارت اور جدید اسلوب ہو۔ تا کہ ذہن کو لذت و فرحت محسوس ہو اور دل میں وہ بات پیوست ہو جائے۔ اگر ایک ہی طرح کے الفاظ سے ان کی تکرار ہوتی تو ان کی حیثیت تکرارِ وظیفہ جیسی ہو جاتی۔ جب کہ مختلف تعبیرات اور متنوّع اسالیب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ذہن اچھی طرح غور وخوض کرتا ہے اور دل ان کی گہرائی تک اُتر جاتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ مضامین و مطالبِ علوم خمسہ' قرآنی سورتوں میں منتشر طور پر کیوں بیان کیے گئے ہیں؟ اور ان کے درمیان ترتیب کی رعایت کیوں نہیں کی گئی ہے؟ کہ آلاءُ اللّٰہ کا ذکر پہلے کر کے ان کا پورا حق ادا کیا جاتا۔ پھر اَیّامُ اللّٰہ بیان کر کے انھیں مکمل کیا جاتا۔ پھر کفار سے جدَل و مخاصمہ کا آغاز ہوتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی ان تمام ممکنات کو شامل ہے۔ لیکن یہاں حکمتِ الٰہی کا ایک فیصلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ: جن لوگوں کے درمیان رسول اکرم صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بعثت ہوئی ہے، ان کی زبان اور اسلوب بیان میں موافقت و مطابقت ہونی چاہیے۔ اسی حکمت کی طرف اس آیتِ کریمہ میں اشارہ ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۔ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ۔ (سورۂ حم السجدہ: ۴۴) اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن کرتے تو وہ ضرور کہتے کہ: اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں؟ کیا کتاب عجمی اور نبی عربی؟

عربوں کے پاس نزولِ قرآن کے وقت تک کوئی کتاب نہ تھی۔ نہ آسمانی نہ انسانی، کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ اور جو ترتیب مصنفین نے ایجاد کر رکھی ہے اس سے عرب بالکل ناواقف تھے۔

اگر اس سلسلے میں کچھ شک ہو تو عہدِ جاہلی و عہدِ اسلامی کے شُعَرائے مخضرمین کے قصائد بغور پڑھیے۔ رسول اکرم صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے فرامین ورسائل اور حضرت عمر فاروق کے مکتوبات کا مطالعہ کیجیے تو اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

لہٰذا عربوں کے مزاج و روایت کے برعکس کوئی کلام ہوتا تو وہ حیرت میں پڑ جاتے اور جو چیز اُن کے کان

میں نہ پڑی ہوئے سن کر وہ تشویش و اضطراب کا شکار ہو جاتے۔

نیز یہ مقصودِ قرآن بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صرف اِفادہ نہیں بلکہ افادہ مع الاستحضار و التکرار مقصودِ نزولِ قرآن ہے۔اور یہ مقصود غیر مرتب کلام کے ذریعہ بہتر اور جامع و مکمل طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص **یہ سوال** کرے کہ شُعرا کے نزدیک جو وزن و قافیہ معتبر ہے، وہ اس وزن و قافیہ سے لذیذ تر ہے، تو انہیں اوزان و قوافی کو کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟

تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ مختلف اقوام و اذہان کے مزاج و معیار کے فرق و اختلاف کے لحاظ سے ان کا لذیذ تر ہونا بھی مختلف ہے۔

بالفرض اسے مان بھی لیا جائے کہ شُعرا کے اوزان و قوافی لذیذ تر ہیں، تو بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم کی اُمّی شخصیت کی زبانِ مبارک پر انوکھے انداز کا وزن و قافیہ جاری ہونا، آپ کی نبوت کی واضح نشانی ہے۔

شُعرا کے انداز و قوافی کے مطابق نزولِ قرآن ہوا ہوتا تو کفّار گمان کرتے کہ یہ تو وہی شعر و شاعری ہے جو اہلِ عرب کے درمیان مشہور و معروف ہے۔اور اپنے اس گمان کی وجہ سے کفّار کوئی فائدہ نہ اُٹھا پاتے۔

اس بات کو یوں سمجھیں کہ فصیح و بلیغ شُعرا و اُدبا جب معاصرین پر اپنا کمال و تفوّق اعلانیہ طور پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو کوئی نیا طریقہ ایجاد کر کے چیلنج کرتے ہیں کہ کون ہے جو اس طرح کی غزل کہہ سکے؟ یا اس طرز کا مضمون اور رسالہ لکھ سکے؟

اگر ان کی یہ شاعری و انشا پردازی قدیم طرز پر ہو تو محققین کے سوا کسی پر ان کی بَراعت و مہارت واضح نہ ہو سکے۔

اعجازِ قرآن کی بحث

اعجازِ قرآن کے اسباب و وجوہ کیا ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وجوہِ اعجازِ قرآن بہت سے ہیں جن میں سے چند وجوہ و اسباب یہ ہیں:

① **دل کش اور انوکھا اسلوبِ بیان**:-اہلِ عرب کے چند ہی ایسے میدان تھے جن میں وہ اپنی بلاغت کے گھوڑے دوڑاتے تھے اور اپنے اَقران و معاصرین پر گوئے سبقت لے جاتے تھے۔ قصائد و خطبات اور رسائل و محاورات، یہی چار چیزیں وہ جانتے تھے اور ان کے علاوہ نہ وہ کچھ جانتے تھے نہ ہی کوئی نیا طریقہ ایجاد کر سکتے تھے۔

ایسی صورت میں ایک نیا اسلوب و طریقہ رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم جو اُمّی تھے، ان کی زبانِ مبارک سے ظاہر ہونا عینِ اعجاز ہے۔

② **گذشتہ اقوام و مِلَل کے واقعات و اَحکام**:-کسی انسان سے سیکھے بغیر اس طرح بیان کرنا کہ ان سے کتبِ سابقہ کی تصدیق ہوتی ہو۔

③ **احوالِ آئندہ کی خبر:-** جب جب قرآنی خبر کے مطابق کوئی بات ہو، اس سے ایک نیا اعجاز ظہور پذیر ہو۔

④ **انسانی قدرت ورسائی سے بلند مقامِ بلاغت:-** ہم جب کہ متقدمین عرب کے بعد کے ہیں تو اس اعلیٰ درجہ مقامِ بلاغت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ لطافت وسلاست سے مملو جو شیریں وفصیح وبلیغ کلمات وترکیبات قرآن حکیم کے اندر پائے جاتے ہیں وہ متقدمین ومتاخرین کے کسی قصیدے میں نہیں ملتے۔ اور مذاقِ سلیم کا یہ ایسا معاملہ ہے جسے ماہر شعراہی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ عوام اس کا ذوق نہیں رکھتے اور وہ اس سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انواعِ تذکیر ومخاصمہ میں معانی ومفاہیم کو ہر جگہ اسلوبِ سورت سے ہم آہنگ ایسا پُرکشش جامہ پہنایا جاتا ہے جو بڑے بڑے فُصَحا وبُلَغا کی رسائی اور دسترس سے باہر ہوتا ہے۔

یہ بات کسی کو سمجھ میں نہ آرہی ہوتو وہ سورۂ اعراف وسورۂ ھود وسورۂ شُعَرا کے اندر بیان شدہ واقعاتِ انبیائے کرام پر غور کرے۔ پھر وہی واقعات وقصص سورۂ صافات پھر سورۂ ذاریات میں پڑھے تاکہ فرق ظاہر اور حق واضح ہو جائے۔

اسی طرح نافرمانوں کی سزا اور فرماں برداروں کے انعام کا ذکر ہر مقام پر ایک نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور دوزخیوں کی باہمی تکرار اور ان کا مخاصمہ ہر جگہ الگ الگ صورت اور الگ الگ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ والکلامُ فی ھذا یَطُول۔

اسی طرح مقتضائے حال کی رعایت جس کی تفصیل فنِ معانی میں ہے اور استعارات وکنایات جن کی وضاحت فنِ بیان کا فریضہ ہے، اُن صنفوں سے ناواقف اور ناخواندہ مخاطبین کی رعایتِ حال کے ساتھ ان کا استعمال قرآن حکیم میں جس طرح ہے اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس اسلوبِ قرآن کی واحد وجہ یہ ہے کہ قرآن کا مطلوب، عام اور متعارف بین الناس بول چال میں ایسے نِکات بیان کرنا ہے جنھیں عوام بھی سمجھ لیں اور خواص بھی پسند کریں۔

یہ طریقہ دومتضاد باتیں جمع کرنے کی طرح ہے جوانسانی قدرت سے باہر ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

⑤ اعجازِ قرآن کا ایک سبب ایسا ہے کہ اسرارِ شرائع کے محققین ومدبّرین کے علاوہ دوسروں کے لئے اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ علوم خمسہ خود ہدایتِ بنی نوعِ انسان کے لئے قرآن کے مُنَزّل مِنَ اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ جس طرح فنِ طِب کا عالم جب بوعلی سینا کی کتاب "القانون" کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے اندر اَمراض کے اَسباب وعلامات اور دواؤں کی خاصیات کا ذکر کتنی تحقیق وتدقیق کے ساتھ ہے تو اسے اس بات میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ القانون کا مصنف فنِ طِب میں کامل شخص ہے۔ اسی طرح علمِ شرائع کا عالم جواُن اشیا کو جانتا ہے جن کی ہدایت وتلقین، تہذیبِ نفوسِ انسانی کے لئے مناسب وضروری ہیں۔ پھر قرآن کے علوم خمسہ پر نظر ڈالتا ہے اور غور وفکر سے کام لیتا ہے تو اسے یقین ہوجاتا ہے کہ: بے شک یہ علوم اپنے معانی ومطالب کے ساتھ ایسے صحیح طور پر اور مناسب ترین مقام پر واقع ہیں جن سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب   گر دلیلے بایدازوے رُومتاب

بابِ رابع

فنونِ تفسیر اور تفسیراتِ صحابہ وتابعین کا بیان

یادرکھنا چاہیے کہ مفسرینِ قرآن کے یہ مختلف طبقات ہیں:

① ایک طبقہ اُن احادیث وآثار کی روایت کرتا ہے جن کا آیاتِ کریمہ سے ربط وتعلق اور ان سے کوئی مناسبت ہے۔ خواہ وہ مرفوع ہوں یا موقوف یا قولِ تابعی ہو یا کوئی اسرائیلی خبر ہو۔ یہ محدثینِ کرام کا طریقہ ہے۔

② ایک طبقہ صفات واَسمائے الٰہی پر مشتمل آیات کی تاویل وتشریح کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ مذہب تنزیہ کے موافق نہیں سمجھتا اسے اس کے ظاہر سے پھیر کر تاویلِ صحیح کرتا ہے۔ اور بعض آیات سے متعلق مخالفین کے اِستدلال کا رد واِنکار کرتا ہے۔ یہ طریقہ متکلمینِ اسلام کا ہے۔

③ ایک طبقہ احکام فقہِ اسلامی کے استنباط، بعض اجتہادات کی بعض پر ترجیح، اور مخالفین کے اِستدلال کے جواب کی طرف اپنی توجہ مبذول ومرکوز رکھتا ہے۔ یہ فقہا اور اہلِ اصول کا طریقہ ہے۔

④ ایک طبقہ نحو ولُغتِ قرآن کی وضاحت کرتا ہے اور ہر باب میں کلامِ عرب سے بھرپور شواھد پیش کرتا ہے۔ یہ اہلِ نحو ولُغت کا طریقہ ہے۔

⑤ ایک طبقہ علمِ معانی وبیان کے نِکات کا شافی بیان کرتے ہوئے حقِ کلام ادا کرتا ہے۔ یہ اُدبا کا طریقہ ہے۔

⑥ ایک طبقہ اپنے اساتذہ وشیوخ سے منقول قراءتِ قرآن کی روایت کرتا ہے۔ اور اس باب کی ہر چھوٹی بڑی بات کا ذکر کرتا ہے۔ یہ طریقہ قُرّاءِ قرآن کا ہے۔

⑦ ایک طبقہ ہر وہ نکتہ بیان کرتا ہے جس کی کوئی مناسبت، علمِ سلوک یا علمِ حقائق سے پائی جائے۔ یہ طریقہ صوفیہ کا ہے۔

المختصر یہ کہ علمِ تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے۔ اور مفسرین کے ہر طبقہ نے اپنے اپنے طور پر قرآنِ حکیم کے معانی ومطالب سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور ہر ایک نے کسی ایک فن سے خاص طور پر بحث کی ہے۔ اپنے علم وفہم وفصاحت وبلاغت کے بقدر سب نے گفتگو کی ہے اور اپنے علما واَصحاب کا طریقہ پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ تفسیر کا میدان اس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ اس کے بیان اور تفسیر کی اتنی زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کا شمار اور اِحاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

بعض مفسرین نے سارے علومِ تفسیر اپنی تفاسیر میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ کسی نے عربی میں، کسی نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور کسی نے مختصر، کسی نے طویل تفسیر لکھی ہے۔ اس طرح علمِ تفسیر کا دامن انھوں نے بے حد کشادہ کر دیا ہے۔

بحمدِ اللّٰہِ وتوفیقِہٖ اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) کو ان سارے علوم وفنون سے اچھی خاصی مناسبت ہے۔ ان کے اکثر اصول اور فروع کے بڑے حصے تک دست رَس ہے۔ اور ان کے ہر باب کی ایک خاص تحقیق واستدلال

کا ایسا ملکہ حاصل ہو گیا جسے اجتہاد فی المذھب کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بحرِ فیضانِ الٰہی سے میرا دل فیض یاب ہے۔ اور مذکورہ فنونِ تفسیر کے علاوہ دو یا تین فنون کا میرے دل پر خاص طور پر اِلقا ہوا ہے۔ سچ پوچھیے تو میں گویا بلا واسطہ تلمیذِ قرآن ہوں۔ جس طرح حضرت رسالت مآب صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم کی روحِ پُر فتوح سے استفادہ کرنے میں اویسی نسبت رکھتا ہوں۔ اور جیسا کہ میں بغیر کسی واسطہ کے کعبہ شریف سے مستفید اور بغیر کسی واسطہ کے صلاۃِ عُظمٰی سے اثر پذیر ہوں۔

وَلَو اَنَّ لِی فِی کُلِ مَنبَتِ شَعرۃٍ لِسَاناً لَمَا استَوفیتُ واجِبَ حَمدہٖ

(اور اگر ہر بال کے اُگنے کی جگہ میرے لئے ایک زبان بن جائے تب بھی میں اللہ کی حمد کا پورا حق اور شکر ادا نہیں کر سکتا۔)

میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ اَلفوزُ الکبیر میں تفسیر کے ہر فن سے متعلق کچھ باتیں عرض کر دوں۔

فصلِ اول

محدثین کی کتبِ تفسیر اور ان کی روایات و متعلقات

محدثین کی کتبِ تفسیر میں مروی آثار میں سببِ نزول کا بھی بیان ہے۔ اس سببِ نزول کی دو قسمیں ہیں:

قسمِ اول: اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آتا کہ اس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نِفاق کا امتحان ہوتا۔ جیسے غزوۂ اُحد اور غزوۂ اَحزاب میں ہوا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کی تعریف اور منافقوں کی مذمّت میں آیتیں نازل کیں تا کہ ہر دو فریق کے درمیان یہ آیات فیصل ہو جائیں۔ بیانِ واقعہ کے ضمن میں اس کی خصوصیات کی طرف بہت سے اشارے ہیں اس لئے مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مختصر کلام کے ذریعہ اس واقعہ کی وضاحت کر دے تا کہ پڑھنے والے کے سامنے ان آیات کا مقصود واضح ہو جائے۔

قسمِ ثانی: اپنے عُموم کی وجہ سے آیت کا معنیٰ مکمل ہے جس میں وہ واقعہ جاننے کی ضرورت نہیں جو سببِ نزول ہوا۔ کیوں کہ حکم و اعتبار لفظ کے عموم کا ہے، خاص سببِ نزول کا نہیں ہے۔

قدیم مفسرین اس واقعہ کا ذکر بھی اس مقصد سے کرتے ہیں کہ آیت سے مناسبت رکھنے والے آثار کا اِحاطہ ہو سکے یا کبھی اس واقعہ کے ذکر سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آیت کا عُموم جہاں صادق آ سکے اس کی وضاحت ہو جائے۔ مفسر کے لئے اس طرح کے سببِ نزول کا بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ صحابہ وتابعین رِضوانُ اللّٰہِ تعالیٰ علیھم اجمعین بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ نَزَلَتِ الآیۃُ فِی کذا و کذا۔ جس سے وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ آیت ایسے موقع پر صادق آتی ہے۔ اور یہی مقصد بعض ایسے واقعات کے ذکر کا بھی ہوتا تھا جن کے عُموم کو آیتِ کریمہ

شامل ہے۔خواہ وہ واقعہ پہلے کا ہو، یا بعد کا ہو۔اسرائیلی ہو، یا جاہلی، یا اسلامی ہو۔آیت کی تمام قیود پر منطبق ہو یا صرف بعض پر ہو۔واللّٰہُ تعالیٰ اَعلم۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس قسمِ سببِ نزول میں اجتہاد کا دخل ہے۔اور متعدد واقعات وقصص کی یہاں گنجائش ہے۔جو شخص یہ نکتہ ذہن نشین رکھے گا وہ ادنیٰ فکر وتاَمل کے بعد اسبابِ نزول کے اختلافات کو حل کرلے گا۔

انھیں باتوں کے ساتھ اس واقعہ کی تفصیل کا بھی معاملہ ہے،جس کی اصل کی طرف نَظمِ قرآن میں تعریض وایماء ہو۔ اور مفسرین کرام، روایاتِ بنی اسرائیل وکتبِ سیرت سے اس واقعہ کی جملہ خصوصیات وجزئیات بیان کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں کچھ تفصیل یہ ہے کہ اگر آیت کے اندر قصہ کی طرف ایسی تعریض ہو جسے پڑھ کر عربی زبان جاننے والا شخص پس وپیش میں مبتلا ہو جائے اور واقعہ کی چھان بین کرنے لگے تو مفسر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس واقعہ کا ذکر کرے اور جو چیز اس سے خارج ہو، مثلاً بنی اسرائیل کے بقرہ کے ذکر میں اس کی تحقیق کہ وہ نر ہے یا مادہ؟ اور سگِ اصحابِ کہف چتکبرا ہے یا سرخ؟ ایسی خارجی باتوں کا ذکر بے سود ہے۔صحابہؓ کرام ایسی باتوں کو ناپسند کرتے تھے اور انھیں اضاعتِ وقت سمجھتے تھے۔

یہاں دو نکتے ذہن نشین رکھیں:

اوّل:- سببِ نزول کے سلسلے میں مسموع ومذکور واقعات بغیر کسی عقلی تصرُّف کے بلاکم وکاست بیان کیا جانا چاہیے۔مگر قدیم مفسرین کا ایک طبقہ کسی آیت کی تعریض کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا کوئی مناسب مصداق تلاش کرکے اسے بطورِ احتمال ذکر کرتا ہے جس کی وجہ سے متأخر مفسرین پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ رِماضی میں اسلوبِ بیان منقح نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات تفسیرِ احتمالی کے ساتھ اِشتباہ اور ایک کا دوسرے کی جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے۔یہ اِحتمالی تفسیر ایک اجتہادی اَمر ہے جس میں عقلی غور وخوض کی گنجائش اور قیل وقال کے گھوڑے دوڑانے کے امکانات ہیں۔

یہ نکتہ جو شخص ذہن نشین رکھے گا وہ مفسرین کے بہت سے اختلافات کے بارے میں صحیح فیصلہ کرے گا اور صحابہؓ کرام کے مباحث میں یہ جان لے گا کہ ان کی بہت سی باتیں ان کی قطعی آرا نہیں بلکہ ان کے علمی مباحث ہیں۔جنھیں مجتہدین ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔

آیتِ کریمہ:- وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔(سورۂ مائدہ:۶) کے بارے میں حضرت ابن عباس کے اس قول کو فقیر (ولی اللہ دہلوی) اسی پر محمول کرتا ہے: لَااَجِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا الْمَسْحَ لٰكِنَّهُمْ اَبَوْا اِلَّا الْغَسْلَ۔میں کتاب اللہ میں صرف مسح کا حکم پاتا ہوں مگر لوگوں نے دھونے کے حکم پر ہی اِصرار کیا ہے۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) سمجھتا ہے کہ اس قولِ ابن عباس میں پاؤں کے وجوبِ مسح کا مذہب بیان نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی فرضیتِ مسح پر آیت کے محمول کیے جانے کے سلسلے میں اس کے اندر کوئی جزم ہے۔بلکہ حضرت ابن عباس کے نزدیک واضح وثابت حکم پاؤں کے دھونے ہی کا ہے لیکن اپنے اس قول میں حضرت ابن عباس نے ایک اِشکال پیش کیا ہے اور ایک اِحتمال ظاہر کیا ہے تاکہ وہ دیکھیں کہ علمائے عصر اس تعارض میں کس طرح کی تطبیق دیتے ہیں اور کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں؟

بعض ایسے حضرات جو اسلاف کے محاورات سے واقف نہیں وہ اسے حضرت ابن عباس کا قول اور آپ کا

مذہب قرار دیتے ہیں۔ حاشا و کلّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ثانی:- بنی اسرائیل کی روایات نقل کرنا ایک سازش ہے جو ہمارے دینی امور میں داخل ہو گئی ہے۔ جب کہ ہمہ اور ضابطہ یہ ہے کہ لَا تُصَدِّقُوا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ۔ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ہی ان کی تکذیب کرو۔ اس ضابطہ کی رُو سے دو باتیں لازم ہیں:

❶ قرآن حکیم کی جس تعریض واشارہ کا بیان سُنّتِ رسول میں موجود ہو، اس کے بارے میں اہل کتاب کی روایت نقل نہیں کرنی چاہیے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔ (سورۂ ص: ۳۴)

اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا۔

اس آیت کی وضاحت سُنّتِ نبوی میں موجود ہے۔ اور وہ ان شاءَ اللّٰہُ کے ترک اور اس پر مؤاخذہ کا واقعہ ہے۔ تو پھر صخر مارد کا قصہ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

❷ قاعدہ یہ ہے کہ الضّروری یتقدّر بقدرِ الضرورۃ۔ ضروری بات بقدرِ ضرورت ہی رکھی جاتی ہے۔ اس لئے تعریض کا جتنا تقاضا ہو اتنی ہی گفتگو کرنی چاہیے تاکہ شہادتِ قرآنِ حکیم سے اس کی تصدیق ہو سکے۔ اور ضرورت سے زیادہ کلام کرنے سے اپنی زبان بند رکھنی چاہیے۔

یہاں ایک لطیف نکتہ ہے جسے جاننا ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم میں کوئی واقعہ کہیں اجمال کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً

آیتِ کریمہ: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ: ۳۰)

پھر دو آیات کے بعد ہے: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ: ۳۳)

یہ دوسرا ارشاد پہلا ہی ارشاد ہے جو کچھ تفصیل کے ساتھ ہے۔ لھذا اس تفصیل سے گذشتہ اجمال کی تفسیر جانی جا سکتی ہے اور اجمال سے اس کی تفصیل تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ کا اجمالی ذکر ہے۔

آیتِ کریمہ: وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ (سورۂ مریم: ۲۱)

اور سورۂ آلِ عمران میں تفصیلی ذکر ہے۔

آیتِ کریمہ: وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (سورۂ آلِ عمران: ۴۹)

پہلے ارشاد میں اجمالی بشارت اور دوسرے میں تفصیلی بشارت ہے جس سے بندۂ ضعیف (ولی اللہ دہلوی) نے استنباط کیا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: ورسولاً الیٰ بنی اسرائیل مُخبِراً بِاَنّی قد جئتکم۔ واللّٰہ تعالیٰ اَعلم۔

یہ آیت بشارت کے تحت ہے۔ کسی محذوف سے اس کا تعلق نہیں۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: فلمّا بَعَثَهُ اللّٰهُ تعالىٰ اِلٰى بنی اسرائيل قال لهم اِنّی رَسُوْلُ اللّٰه

اِلَیکُم بِاَنّی قد جِئتُکُم ۔واللّٰہُ تعالیٰ اَعلم ۔

اسبابِ اختلاف میں ایک سبب شرحِ لفظِ غریب (نادر لفظ کی وضاحت) ہے جس کا مدار لُغتِ اہل عرب کا تتبع وتفحص یا آیت کا سیاق وسباق اور جملہ کے اَجزا سے اس لفظ کی مناسبت جاننے پر ہے۔ یہاں بھی عقل کو دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے۔ کیوں کہ ایک کلمہ لُغتِ عرب میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے۔ اور استعمالاتِ عرب کی تلاش وجستجو اور سابق ولاحق کی مناسبت سمجھنے میں لوگوں کی فہم وعقل میں اختلاف ہوتا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب میں صحابہ وتابعینِ کرام کے اقوال مختلف اور ہر ایک کی اپنی راہ اور اپنا طریقہ ہے۔

انصاف پسند مُفسّر کے لئے ضروری ہے کہ شرحِ لفظِ غریب کرتے وقت دوبار اس طرح اسے جانچے پرکھے کہ

(۱) استعمالاتِ عرب میں کون سا استعمال یہاں اقویٰ اور اَرجح ہے؟

(۲) مناسباتِ سابق ولاحق میں کون سی مناسبت بہتر اور زیادہ قریب ہے؟

اس سلسلے میں وہ اپنے مقدّمات مضبوط کرلے، مَوارِدِ استعمال کی تحقیق وتفتیش کرلے۔ اور اس سے متعلق آثار کی اچھی طرح تلاش اور تتبع کرلے۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) نے شرحِ غریب کے باب میں تازہ استنباطات کیے ہیں۔ جن کا لطف غیر منصف وبخت مزاج (بدذوق) شخص کے علاوہ سبھی محسوس کریں گے۔

آیتِ کریمہ:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی۔ (سورۂ بقرہ:۱۷۸)

اسے میں نے مقتولوں کی برابری اور ایک ہی حکم میں ان کے شریک ہونے کے معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ تا کہ وَالاُنثیٰ بالاُنثیٰ۔ (سورۂ بقرہ:۱۷۸) کی تفسیر میں نسخ کی مشقت نہ اٹھانی پڑے اور ایسی توجیہات کا سہارا نہ لینا پڑے جو ادنیٰ توجہ وتامل سے مضمحل وپژمردہ ہوجائیں۔

آیتِ کریمہ: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۔ (سورۂ بقرہ:۱۸۹)

اسے میں نے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَشْھُرِ، یعنی حج کے مہینوں پر محمول کیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ (سورۂ بقرہ:۱۸۹)

آیتِ کریمہ: ھُوَالَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (سورۂ حشر:۲) وہی ہے جس نے کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لئے۔

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کو میں نے لِاَوَّلِ جَمْعِ الْجُنُوْدِ کے معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ (سورۂ شعراء:۳۶)

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ۔ (سورۂ نمل:۱۷)

بنو نضیر کے واقعہ سے یہ معنیٰ زیادہ ہم آہنگ اور (اللہ کی جانب سے مسلمانوں پر) بیانِ احسان میں زیادہ قوی ہے۔

ایک سبب اختلاف بیانِ ناسخ ومنسوخ ہے۔ یہاں دو نکتے سمجھ لینا مناسب ہے:

اوّل:۔ صحابہ وتابعین کرام نسخ کا استعمال جس معنیٰ میں کرتے تھے وہ اصولیوں کے اصطلاحی معنیٰ سے مختلف ہے۔ ان کے استعمال میں نسخ، لُغوی معنی کے قریب ہے۔ اور یہ لُغوی معنی اِزالہ ہے۔ ان کے مطابق نسخ

معنیٰ ہوا پہلے کی آیت کے بعض اوصاف کو بعد کی آیت کے ذریعہ زائل کرنا۔ خواہ وہ اِزالہ مدتِ عمل کی انتہا بیان کر کے ہو، یا کلام کے معنیٔ متبادر کو غیر معنیٔ متبادر کی طرف پھیر کر ہو، یا کسی قید کے اتفاقی ہونے کا ذکر ہو، یا کسی عام کی تخصیص ہو، یا منصوص اور اس پر بظاہر قیاس کردہ حکم کے درمیان وجہِ فرق کا بیان ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ باب نہایت وسیع ہے اور جولانیٔ عقل نیز اختلاف کی اس میں گنجائش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے۔

ثانی:۔ اصطلاحی معنیٰ کے لحاظ سے نسخ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ تاریخِ نزول معلوم ہو کہ کب ناسخ اور کب منسوخ کا نزول ہوا؟ لیکن متاخر مفسرین کبھی سلفِ صالحین کے اِجماع یا جمہور علما کے اتفاق کو علامتِ نسخ قرار دیتے ہیں اور نسخ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ بہت سے فُقہاے کرام نے ایسا کیا ہے۔ جب کہ اس کا بھی امکان ہے کہ اس طرح کے مواقع پر آیت جس پر صادق آتی ہو، وہ اس کے علاوہ ہو جس پر اجماع ہو چکا ہے۔

المختصر یہ کہ نسخ کی خبر دینے والے آثار ایک سمندر جیسے ہیں جس کی گہرائی تک عقل کی رسائی بہت مشکل ہے۔

محدثینِ کرام اپنی تفاسیر میں ان اقسام کے علاوہ کچھ دوسری چیزیں بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کسی مسئلہ میں صحابۂ کرام کا مباحثہ اور اس موقعہ پر کسی آیت سے ان کا اِستشہاد، یا کسی آیت کو بطورِ نظیر پیش کرنا، یا رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم کا کسی آیت کی تلاوت کرنا، یا (صحابہ و تابعین کا) کسی ایسی حدیث کی روایت کرنا جو اپنے اصل معنی کے اعتبار سے آیت کے بالکل مطابق ہو، یا رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم، یا صحابۂ کرام سے منقول کسی تلفُّظ کا بیان کرنا۔

فصلِ ثانی

بابِ رابع کے باقی لطائف و معارِف

علوم و فنونِ تفسیر میں ایک اہم فن، استنباطِ احکام ہے۔ یہ باب نہایت وسیع ہے۔ آیات کے مفاہیم، اشارات اور مقتضیات کے فہم و اِطلاع کے سلسلے میں عقل کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اس باب میں بہت سے اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) کے دل میں اِلقا فرمایا ہے کہ استنباطاتِ احکام، دس قسموں میں منحصر ہیں۔ ان دس اقسام کی ترتیب بھی اس نے فقیر کے دل میں اِلقا فرمائی ہے جو بہت سے احکامِ مستنبطہ کو تولنے کے لئے ایک عظیم میزان ہے۔

ان اَقسام میں ایک فن "**توجیہ**" ہے، جس کی بہت سی شاخیں اور پہلو ہیں۔ شرحِ مُتون میں اس کا استعمال شارحین کرتے ہیں۔ اس سے ان کی ذکاوت کا امتحان ہو جاتا ہے اور فرقِ مراتب و درجات بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ صحابۂ کرام جن کے زمانہ میں اصولِ توجیہ غیر منقح تھے، انھوں نے خود بہت سی آیاتِ کریمہ کی توجیہ کی ہے۔

حقیقتِ توجیہ یہ ہے کہ: کلامِ مصنف کے سمجھنے میں جہاں دشواری محسوس ہو، وہاں رُک کر شارح اسے حل کرتا ہے۔ چوں کہ کتاب پڑھنے والوں کا ذہن اور ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے توجیہ بھی ایک درجہ کی

نہیں ہوتی ہے۔ مُبتدیوں کے لئے الگ اور مُنتہیوں کے لئے الگ توجیہ ہوتی ہے۔ کبھی مُنتہی کے ذہن میں کچھ اُلجھن اور مشکل پیش آئی جس کے حل کا وہ خواہاں ہو، جب کہ مُبتدی اس سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اس مضمون کو سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ بہت سی باتیں جنھیں مُبتدی کے لئے سمجھنا مشکل ہوتا ہے، انھیں سمجھنے میں مُنتہی کا ذہن کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا ہے۔ اور جو اصحابِ علم اپنی شرحوں میں ہر سطح کی عقلوں کا لحاظ رکھتے ہیں وہ سبھی پڑھنے والوں کی حالت کی رعایت اور ان کی عقلوں کے معیار کے مطابق کلام کرتے ہیں۔

آیاتِ مخاصمہ میں عمدہ توجیہ یہ ہے کہ فِرَقِ باطلہ کے مذاہب لکھ کر ان کے ردو اِبطال کے طریقوں کی تنقیح ووضاحت کردی جائے۔

آیاتِ احکام میں عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مسئلہ کی صورتیں اور قیود کے اِحترازی واِتفاقی ہونے کی وضاحت کردی جائے۔

آیاتِ تذکیر بِآلاءِ اللّٰہ میں یہ ہے کہ نعمتوں اور ان کے جُزئی مواضع ومواقع کا اچھی طرح بیان کردیا جائے۔

آیاتِ تذکیر بایَّامِ اللّٰہ میں یہ ہے کہ بعض واقعات کے ایک دوسرے سے مربوط ہونے کا بیان اور اس تعریض واِیما کا پورا حق ادا کردیا جائے جو واقعہ کے ضمن میں ہو۔

تذکیر بِالموت ومابعدَ الموت میں عمدہ توجیہ یہ ہے کہ موت سے متعلق امور اور ان کے حالات واضح کردیے جائیں۔

فنونِ توجیہ میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں:

جو بات عدمِ مناسبت کی وجہ سے بعیدُ الفہم ہو اُسے قریبُ الفہم بنادیا جائے۔

جن دو دلیلوں یا دو تعریضوں یا منقول ومعقول کے درمیان تعارض ہو، ان کا تعارض دور کردیا جائے۔

جن دو چیزوں میں اِلتباس واِشتباہ ہو، ان کا فرق واضح کردیا جائے۔

جن دو باتوں میں اختلاف وتضاد ہو، ان کے درمیان تطبیق دے دی جائے۔

جس صدقِ وعدہ کا آیت میں اشارہ ہے، اسے بیان کردیا جائے۔

جس طرح رسول اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے حکمِ قرآنِ عظیم پر عمل کیا، اس کی کیفیت وحالت بیان کردی جائے۔

المختصر یہ کہ صحابۂ کرام کی تفسیروں میں بہت سی توجیہات ہیں۔ اور توجیہ کا حق اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب مفسّر مشکلات وصعوبات حل کرنے میں تفصیل وتوضیح کرے۔ اس کے بعد اپنی توجیہ کی اچھی طرح منصفانہ جانچ پرکھ کرلے۔

تاویلِ متشابہات اور بیانِ حقیقتِ صفاتِ باری تعالیٰ میں متکلمین کا غُلُو، میرا (ولی اللّٰہ دہلوی) طریقہ نہیں۔ ان امور ومسائل میں میرا مذہب وطریقہ وہی ہے جو امام مالک، سفیان ثوری، عبداللّٰہ بن مبارک اور جملہ متقدمین کا ہے کہ متشابہات کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے اور ان کی تاویل میں غور وخوض نہ کیا جائے۔

احکامِ مستنبطہ میں نزاع کرنا، اپنے مخصوص مذہب کی قوت واستحکام اور دوسرے کے مذہب کا اِنہدام چاہنا اور قرآنی دلائل کو دفع کرنے کی تدبیر وحیلہ کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ طریقہ "تَدارُؤ بِالقرآن" یعنی قرآن میں باہم ٹکرانے اور اس کے دلائل کو ٹھکرانے کا عمل نہ ہوجائے۔ (والعیاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ)

مدلولِ آیات کی جستجو کرنا اور مدلولِ آیات کے مطابق ہی اپنا مذہب ہونا لازم ہے۔خواہ وہ مدلولِ آیت اس کے موافق یا مخالف ہو۔

لُغتِ قرآن کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ متقدم عربوں کے استعمال سے اسے اَخذ کیا جائے اور صحابہ وتابعین کرام رِضوانُ اللّٰہِ علیھم اجمعین کے آثار پر مکمل اعتماد کیا جائے۔

قرآن کے نحوی قواعد کا بیان عجیب خلل واِنتشار کا شکار ہے۔وہ اس طرح کہ ایک طبقہ نے سیبویہ کا نحوی مذہب اختیار کرلیا اور جو بات مذہب سیبویہ کے خلاف ہے،اس کی تاویل کرتا ہے۔خواہ وہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو۔یہ طریقہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔آیت کے سیاق وسباق کے مناسب ومطابق اور قوی ضابطہ وطریقہ کے مطابق اتباع وعمل کرنا چاہیے۔خواہ وہ ضابطہ وطریقہ سیبویہ کا ہو،یا فَرّا کا ہو۔

آیتِ کریمہ:وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (سورۂ نساء:۱۶۲)جیسی آیات کے بارے میں حضرت عثمٰن بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ:سَتُقِيْمُهَا العربُ بِاَلْسِنَتِهِمْ

فقیر(ولی اللہ دہلوی) کے نزدیک اس کلمہ کی تحقیق یہ ہے کہ مشہور محاورات وتعبیرات کی مخالفت بھی محاورہ وتعبیر کا ایک صحیح طریقہ ہے۔قدیم عرب نے اپنے خطبات ومکالمات میں بارہا کسی قاعدہ مشہورہ کے خلاف باتیں کہی ہیں۔قرآنِ عظیم،قدیم عربوں کی لُغت میں نازل ہوا ہے تو اس میں کوئی جائے حیرت اور مقامِ استعجاب نہیں کہ کبھی واو کی جگہ یا آجائے یا تثنیہ کی جگہ مفرد یا مذکر کی جگہ مؤنث واقع اور وارد ہو۔

میرے نزدیک تحقیقِ حق یہ ہے کہ والمقيمين الصلوة کو مقامِ مرفوع (والمقيمون الصلوة) مان کر معنی مرفوع میں تفسیر کی جائے۔واللّٰہُ تعالیٰ اَعلم۔

علمِ معانی وبیان،دورِ صحابہ وتابعین کرام کے بعد کا مدوّن علم ہے جس میں جمہور عرب کے عُرف کے مطابق جو باتیں ہیں،وہ بسر وچشم قبول ہیں۔اور جو دقیق باتیں اس فن کے ماہرین ومتبحرین ہی سمجھ سکتے ہیں،انھیں میں نہیں سمجھتا کہ:مطلوب فی القرآن ہیں۔

صوفیۂ کرام کے اشارات ونِکات درحقیقت فنِ تفسیر کا حصہ نہیں۔بلکہ قرآن سنتے وقت سالک کے دل میں آنے والی اور نظمِ قرآن کے درمیان اس کے دل میں پیدا ہونے والی کچھ باتیں ہوتی ہیں،اس وقت سالک کی جو حالت ہوتی ہے یا اسے جو معرفت حاصل ہوتی ہے،اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص لیلیٰ ومجنوں کا قصہ سن کر اپنی محبوبہ کی اُن یادوں میں کھو جاتا ہے جو اُس شخص اور اس کی محبوبہ کے ماضی کا حصہ ہیں۔

یہاں ایک اہم فائدہ ہے جسے سمجھ لینا چاہیے کہ رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم نے "فنِ اعتبار" کو معتبر مانا ہے۔اور آپ نے اس کی راہ بھی اپنائی ہے تاکہ عُلماے امت کے لئے یہ سُنّت ان کے علوم وَہبیہ کے لئے ذریعۂ فتحِ باب بن جائے۔مثلاً

آیتِ کریمہ:۔فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى۔(سورۂ لیل:۵)

اس آیت کو رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مسئلۂ تقدیر میں بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔اگرچہ اس کا معنی منطوق یہ ہے کہ جو شخص یہ کام کرے گا اسے ہم جنت ونعمت کا راستہ دکھائیں گے۔اور جو اس کے

خلاف عمل کرے گا اس کے لئے دوزخ وعذاب کی راہ کشادہ کردیں گے۔لیکن بطریقِ اعتبار جانا جاسکتا ہے کہ ہر شخص کو اللہ نے ایک خاص حالت کے لئے پیدا کیا ہے۔اس پر وہ حالت وکیفیت طاری ہوگی۔خواہ وہ اسے جانے یا نہ جانے۔اس اعتبار سے مسئلۂ تقدیر کے ساتھ آیتِ کریمہ کا خاص ربط ہے۔

آیتِ کریمہ:۔وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا۔(سورۂ شمس:۷۔۸)

اس آیت کا بھی مسئلۂ تقدیر کے ساتھ خاص ربط ہے۔کیوں کہ معنیٔ منطوق اس آیت کا یہ ہے کہ رب کائنات نے نیکی وگناہ پر ہر انسان کو مطلع کردیا ہے۔لیکن نیکی اور گناہ کی صورتِ علمیہ کی تحقیق کے درمیان اور نفخ روح کے وقت اجمالی طور پر موجود نیکی اور گناہ کے درمیان مشابہت ہے۔اس اعتبار سے اس آیت سے مسئلۂ تقدیر پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔

فصلِ ثالث

وضاحتِ غرائبِ قرآن

قرآنِ حکیم میں وارد غرائب یا نادر اور انوکھی باتوں کا احادیثِ کریمہ میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اور ان کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ان غرائبِ قرآن کی متعدد اقسام ہیں:

فنِ تذکیر بآلاءِ اللّٰہ میں غریب وہ آیت ہے جو صفاتِ حق تعالیٰ کے ایک بڑے حصہ کو حاوی ہو۔مثلاً آیۃ الکرسی،سورۂ اخلاص،سورۂ حشر کی آخری اور سورۂ مومن کی ابتدائی آیات۔

فنِ تذکیر بِایّامِ اللّٰہ میں غریب وہ آیت ہے جس کے اندر کوئی نادر غیر معروف واقعہ مذکور ہو۔یا مشہور واقعہ اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔یا کثیر فوائد پر مشتمل واقعہ جو محلِ عبرت ہو،اس کا ذکر ہو۔یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السّلام کے واقعہ کے بارے میں فرمایا:ہماری آرزو تھی کہ حضرت موسیٰ،حضرت خضر کے ساتھ اور صبر سے کام لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی کچھ اور باتوں کا ذکر فرماتا۔

فنِ تذکیر بالموت ومابعدَ الموت میں غریب وہ آیت ہے کہ مثلاً احوالِ قیامت کو حاوی اور جامع ہو۔اسی لئے حدیثِ مبارک میں وارد ہے کہ جو شخص قیامت کو گویا بچشمِ خود دیکھنا چاہے وہ اسے پڑھے:اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ(سورۂ تکویر:۱)

فنِ احکام میں غریب وہ آیت ہے جو حدودِ شرعیہ کے بیان پر مشتمل ہو۔اور کسی خاص حکم کی اس میں تعیین ہو۔مثلاً حدِّ زنا میں سو کوڑے مارنے کی تعیین۔اور عدتِ مطلّقہ میں تین حیض یا تین طہر کی تعیین۔اور میراث میں حصوں کی تعیین۔

فنِ جدل ومخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں کسی شبہ کا جواب ایسے انوکھے انداز سے دیا گیا ہو کہ مکمل ومؤثر طریقہ سے وہ جواب اس شبہ کو ختم کردے۔یا اس میں کسی فریقِ باطل کا حال کسی واضح مثال کے ذریعہ بیان کیا گیا ہو۔مثلاً

آیتِ کریمہ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا۔(سورۂ بقرہ:۱۷)

اسی طرح آیت کے اندر بت پرستی کی شناعت اور خالق ومخلوق ومالک ومملوک کے مرتبہ کا فرق بیان کیا گیا ہو۔یا کوئی انوکھا مسئلہ بیان کیا گیا ہو۔یا بلیغ اسلوب میں ریاکاری ونمائش پسندی کے خوگر لوگوں کے اعمال ضائع ہوجانے کا بیان ہو۔

غرائبِ قرآن مذکورہ اقسام ہی میں منحصر نہیں بلکہ کبھی بلاغتِ قرآن و حُسنِ اسلوب کی وجہ سے غرابت وارد ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ رحمٰن جسے حدیثِ نبوی میں عَرُوْسُ القرآن کہا گیا ہے۔ اور کبھی کسی سعید و شقی کی منظر کشی کی جہت سے کوئی آیت غریب ہوتی ہے۔

حدیثِ مبارک میں وارد ہے کہ لِکُلِّ اٰیَةٍ مِنْھَا ظَھْرٌ وبَطْنٌ ولِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ۔ اِن میں سے ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن معنیٰ ہے۔ اور ہر حد کی ایک جائے اطلاع ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان علومِ خمسہ کا ظاہر کلام ربانی کا مدلول اور اس کا منطوق ہے۔ اور باطن یہ ہے:

تذکیر بآلاءِ اللّٰہ کا باطن، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں تفکر و تدبر اور دل کے اندر اللہ کو یاد رکھنا ہے۔

تذکیر بأیّامِ اللّٰہ کا باطن، واقعات و قصص سے مدح و مذمت اور ثواب و عذاب کا مناط و مدار پہچاننا اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے۔

تذکیر جنت و دوزخ کا باطن، خوف و رَجا کا ظہور اور ان امور کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔

آیاتِ احکام کا باطن، آیت کے مضامین و اشارات کے ذریعہ مخفی احکام کا استنباط کرنا ہے۔

فِرَقِ باطلہ سے مباحثہ و مناظرہ کا باطن، گمراہ فرقوں کی اصل قباحت و ضلالت کی صحیح شناخت اور اس جیسی دوسری خرابیوں کا ان کے ساتھ اِلحاق و ابطال ہے۔

مُطَّلَعُ الظَّھْر، یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کے ان آثار سے آگاہی ہو جن کا تعلق علمِ تفسیر سے ہے۔

مُطَّلَعُ البَطْن، یہ ہے کہ نورِ باطن اور سکونِ قلب کے ساتھ ذہن کے اندر لطافت اور فہم کے اندر استقامت ہو۔ واللّٰہُ تعالیٰ اَعلم۔

فصلِ رابع

بیانِ علومِ وَہبی

بعض وہبی علومِ تفسیر جن کے بارے میں اشارہ کیا جاچکا ہے، وہ یہ ہیں:

① انبیائے کرام علیہم السّلام کے واقعات و قصص کی تاویل۔ اس موضوع پر فقیر (ولی اللہ دہلوی) کا ایک رسالہ "تاویلُ الاحادیث" کے نام سے ہے۔

تاویل سے مراد یہ ہے کہ ظہورِ واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے، جس کا تعلق رسول اور اس کی قوم کی اِستعداد اور صلاحیت سے، اور اس وقت اللہ کی جو تدبیر و مشیت ہوتی ہے، اس سے ہوتا ہے۔ گویا کہ اسی معنیٰ کی طرف اس آیتِ کریمہ میں اشارہ ہے: وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ (سورۂ یوسف:٦)

② ان علومِ خمسہ کی تنقیح ہے جو منطوقِ قرآنِ حکیم ہیں۔ اس رسالہ کے آغاز میں ان کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اس لئے اس کا دوبارہ مطالعہ کرلیا جائے۔

③ فارسی زبان میں ترجمۂ قرآن جو زبانِ فارسی کہ عربی زبان سے قریب ہے، مقدارِ کلمات و تخصیص و تعمیم وغیرہ میں

عربی سے خاصی مشابہت ہے۔ یہی بات میرے ترجمۂ قرآن "فتحُ الرحمٰن فی ترجمۃِ القرآن" سے ثابت ہے۔ ہر چند کہ میں نے بعض مواقع پر اس شرط کو اس خوف سے ترک کر دیا ہے کہ اس کی تفصیل کے بغیر لوگ سمجھ نہیں پائیں گے۔

④ علوم خواصِ قرآن ہے: جس میں اسلاف ومتقدمین کے ایک طبقہ نے گفتگو کی ہے۔ اس طبقہ نے بتایا ہے کہ قرآن کی خاصیتوں کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ دُعا کی طرح ہے۔ اور دوسرا طریقہ سحر کی طرح ہے۔ جس سحر سے اللہ کی پناہ۔

قرآنِ حکیم کی منقول خاصیتوں کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) پر ایک اور فتح باب کیا ہے کہ ایک بار اس نے اَسمائے حُسنیٰ وآیاتِ عُظمیٰ واَدعیۂ مُبارکہ سے میرا دامن بھر کر ارشاد فرمایا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے اسے تم کام میں لاؤ۔

لیکن ہر آیت واِسم و دُعا ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے جن کا کوئی منضبط قاعدہ نہیں۔ بس اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ عالَمِ غیب کے حکم واشارہ کا انتظار کیا جائے جیسا کہ استخارہ میں ہوتا ہے۔ اس کیفیت میں دیکھا جائے کہ عالَمِ غیب سے کس آیت یا اسمِ الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے۔ اشارہ ملنے کے بعد اس آیت یا اسم کو اس طریقہ سے پڑھے جیسا کہ اہلِ فن کے نزدیک اس کے پڑھنے کا قاعدہ ہے۔

یہ ہیں وہ اُمور و مسائل جنھیں اس رسالہ میں تحریر کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا۔ اَلْحمدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَآخِراً وَظاھِراً وَباطِناً۔

تَمَّ الکتابُ بعَونِ المَلِکِ الوَھّاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ آج "اَلْفوزُ اَلکبیرُ فی اُصُولِ التَّفْسِیر" (بزبانِ فارسی) مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا اردو ترجمہ مکمل ہوا۔

الفوزُ الکبیر کی پہلی طباعت ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں مطبع احمدی ہُگلی (بنگال) سے ہوئی تھی۔ شیخ منیر دمشقی نے اس کی تعریب کی ہے اور یہی عربی نسخہ عُلمائے کرام اور مدارس کے اساتذہ وطلبہ کے درمیان متعارف ومتداول ہے۔ الحمدُ لِلّٰہ اُصولِ تفسیر کے حقائق ومعارف پر مشتمل یہ جامع ووقیع رسالہ الفوزُ الکبیر اب اردو زبان میں حاضرِ خدمت ہے جو یقیناً اہلِ علم کے درمیان شرفِ قبول سے سرفراز ہوگا۔ اِن شاءَ اللّٰہ المولیٰ تبارک وتعالیٰ۔ وماتوفیقی اِلاَّ باللّٰہِ۔ وھُوالمُوَفِّق والمُعین والمُستعان وعلیہِ التّکلان۔ وَصلّی اللّٰہُ علیٰ رَسولہٖ وخیرِ خلقہٖ محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وعُلَماءِ مِلّتہٖ اجمعین۔ آمین یاربَّ العٰلمین بجاہِ نَبِیِّکَ وحَبیبِکَ سیدِ المُرسَلین علیہِ الصَّلوٰۃ والتَّسلیم۔

سہ شنبہ
۱۴ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
۱۰ر فروری ۲۰۰۹ء

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

مقدمہ "فتحُ الرحمٰن بترجمۃِ القرآن" (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے حد حمد وثنا ہے کہ اس نے اپنی رحمت ورأفت سے اپنے بندوں کے لئے قرآن حکیم نازل فرمایا تاکہ انھیں پسندیدہ وناپسندیدہ اُمور کا علم ہو سکے۔ نفس کی مکّاریوں، بُرے اَعمال واخلاق کی تاریکیوں سے نجات پاسکیں۔ اور حظیرۃ القدس کی راہ پاکر بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوسکیں۔

اگر رب تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کی دست گیری نہ فرمائے تو ہلاکت سے کسی کو چھٹکارا نہ مل سکے۔ وہ اگر خود رہنمائی نہ فرمائے تو اس دنیا کی تہ بہ تہ تاریکی سے کسی کی نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے جسم وجان اور وجود ظاہر وباطن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِحسانات مُحیط ہیں۔

نبی مکرم ورسولِ معظم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم پر درود و سلام ہو کہ آپ نے ہمیں سعادتِ دارین سے آگہی بخشی اور دنیا وآخرت کے فوائد ومنافع سے باخبر فرمایا۔ چنانچہ کوئی بیان آپ کے بیان وارشاد سے واضح تر اور کوئی رحمت آپ کی رحمت سے بالاتر نہیں ہوسکتی۔

نہایت نیک بخت ہے وہ انسان جو آپ کی سنت کی پیروی کرے۔ اور نہایت بد بخت ہے وہ شخص جو آپ کی راہ پر چلنے سے انحراف کرے۔

وَاَشهَدُ اَن لاالٰہ اِلّا اللّٰہ وحدَہ لاشَرِیکَ لَہ وَاَشهَدُاَنَّ محمداًعَبدُہ وَرَسولُہ۔ صلّی اللّٰہُ علیہِ وعلیٰ آلہٖ واصحابِہٖ وسلّم۔

اما بعد! ہر عہد وعصر اور ہر خطہ وعلاقہ کے مسلمانوں کی خیر اندیشی وخیر خواہی کا الگ رنگ اور الگ تقاضا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عُلَماے دین وایمان واکابرِ یقین واِذعان نے تفسیر وحدیث وعقائد وفقہ وسلوک وغیرہ میں متعدد ومتنوع اسلوب اور طرز ورنگ کی کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ حضرات نے تفصیل واِطناب کی راہ اختیار کی ہے اور کچھ حضرات نے اِجمال واختصار کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ کچھ حضرات نے عجمی زبانوں میں خامہ فرسائی کی اور کچھ حضرات نے عربی زبان میں اپنے علم وتحقیق کے جواہر بکھیرے ہیں۔

جس زمانے اور جس ملک میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ فارسی زبان میں ہم قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ کریں جس کی زبان سلیس ومتداول ہو۔ جس میں نہ پندار علم وفضل کا اظہار ہو نہ عبارت آرائی کا تصنّع ہو۔ متعلقہ قصص وواقعات سے اس کے اندر کوئی تعرض نہ ہو اور غیر ضروری توجیہاتِ متنوعہ کے ذکر سے بھی اس میں اجتناب واحتراز کیا جائے۔ تاکہ خواص وعوام یکساں طور پر اور چھوٹے بڑے سب ایک انداز سے اسے سمجھ سکیں۔

فقیر (ولی اللہ دہلوی) کے دل میں اس اہم خدمت کا داعیہ وجذبہ پیدا کیا گیا اور اس کے لئے اسے مامور کیا

(۱) یہ مقدمہ قرآن کے ترجمہ وتفسیر سے متعلق بعض فوائد پر مشتمل ہونے کے سبب یہاں درج کیا گیا۔ یہ الفوز الکبیر میں شامل نہیں۔ مترجم

گیا۔ چنانچہ ایک مدت تک کسی ایسے ترجمۂ قرآن کی تلاش وجستجو میں لگا رہا جسے مطابقِ معیار و مناسب حال سمجھ کر اس کی ترویج واشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ اور جیسے بھی ہو سکے اس ترجمۂ قرآن کو اہلِ زمانہ کے لئے مقبول ومرغوب بنا کر پیش کیا جائے۔ (لیکن ہُوا یوں کہ بعدِ تحقیق وتفحص) کسی ترجمہ میں اُکتا دینے والا طویل انداز (تطویلِ مُمل) اور کسی میں فہمِ معنیٰ کے لئے خلل انداز اِختصار (تقصیرِ مخل) نظر آیا۔

چار و ناچار میں نے ایک نئے ترجمۂ قرآن کا عزمِ مصمّم کر لیا اور زَهْرَاوَین (سورۂ بقرہ وسورۂ آلِ عمران) تک کا ترجمہ مکمل کر لیا۔ اس کے بعد سفرِ حرمین شریفین کا مرحلہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف وملتوی ہو گیا۔

کئی سال بعد ایک عزیز نے اس فقیر سے قرآنِ حکیم مع ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ سلسلہ اس عزمِ ترجمۂ قرآن کا پھر باعث ومحرک بن گیا کہ جتنا قرآن سبقاً سبقاً پڑھایا جائے اس کا ترجمہ لکھ لیا جائے۔ ثُلثِ قرآن تک ترجمۂ قرآن ہوا تھا کہ اس عزیز کو ایک سفر کرنا پڑا اور وہ ترجمۂ قرآن پھر موقوف وملتوی ہو گیا۔

ایک مدت بعد پھر اس ترجمہ کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ دل میں جمی ہوئی پرانی خواہش کی یاد تازہ ہوئی جس نے مزید ایک ثُلثِ قرآن تک کے ترجمہ کی تکمیل کر دی۔

لِلْاَکثرِ حکمُ الکل کے ضابطہ کے مطابق میں نے مناسب سمجھا کہ اب اس کی تبییض کر لی جائے۔ چنانچہ بعض احباب سے میں نے گذارش کی کہ اس مسوّدہ کا مبیَّضہ کر لیا جائے اور اس ترجمہ کو آیاتِ قرآن کے ساتھ لکھ لیا جائے تاکہ یہ نسخہ مکمل ہو جائے۔

ایک یارِ سعادت مند نے بروز عیدالاضحیٰ ۱۱۵۰ھ اس کی تبییض شروع کر دی۔ جب مسوّدہ کی تبییض آخری مرحلے تک پہنچی تو عزم میں پھر تحریک پیدا ہوئی اور آخری سورۂ قرآن تک کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔

اوائلِ ماہ شعبان میں اس کا بھی مسوّدہ مکمل ہوا جس کے بعد اوائلِ ماہ رمضان ۱۱۵۱ھ میں اس کا مبیَّضہ بھی مرحلۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ فَالحمدُ لِلّٰہ علیٰ ذٰالِک۔

برادرِ نسبتی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ بِشھودِہٖ کے اہتمام سے ۱۱۵۶ھ میں اس نسخہ کی ترویج ہوئی اور اس کے مطالعہ ودرس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی بہت سی نقلیں اور نسخے تیار ہوئے اور اہلِ زمانہ نے اس ترجمۂ قرآن کے ساتھ توجہ اور دلچسپی ظاہر کی۔

لِلّٰهِ الحَمْد کہ آں نقش کہ خاطر می بَست — آمد آخر زپسِ پردۂ تقدیر پدید

(اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دل میں جمے ہوئے نقوش آخرکار پردۂ تقدیر سے نکل کر ظہور پذیر ہو گئے۔)

بیانِ مقصود سے پہلے ضروری ہے کہ **بطورِ تمہید ایک مقدمہ** پیش کر دیا جائے تاکہ اس کتاب میں خصوصاً اور فنِ ترجمہ میں عموماً جو بھی غور وخوض ہو، وہ علیٰ وجہ البصیرت ہو۔

چند مقاصد کا بیان

کہ کتاب سے پہلے انھیں لکھنا اہلِ تصنیف وتالیف کی رسمِ قدیم ہے۔

❁ یہ تحریر فنِ ترجمۂ قرآن سے متعلق ہے۔ یعنی عربی زبان کے معنی ومفہوم کو فارسی عبارت میں منتقل کیا گیا ہے جس میں ❶ نحو کی رعایت اور تقدیم ما حقّہ التقدیم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ❷ محذوف کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ❸ ترتیب الفاظ میں نظمِ ترجمہ کو حتی الامکان نظمِ قرآن کے مطابق کیا گیا ہے بسوائے اُن مقامات کے جہاں اختلافِ زبان کی وجہ سے رَکاکتِ لفظ یا تعقیدِ معنی ومفہوم لازم آئے۔ ❹ جن اسبابِ نزول کا بیان ضروری تھا، انھیں بیان کر دیا گیا۔ ❺ مشکل مقامات کی توجیہ بقدرِ ضرورت کر دی گئی، جس طرح کہ یہ چیزیں کتاب وجیز اور جلالین وغیرہ میں ہیں۔ وجیز پر حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی شہادت موجود ہے کہ وجیز جیسی کتابیں پڑھنے والے لوگوں کے لئے ابتدائی درجات ومراحل کے ابواب کھل جاتے ہیں۔ (یہ کلام جلالین پر بھی منطبق ہے اس لیے کہ یہ بھی اسی طرز پر ہے)

❁ **اس کتاب کا نام** "فتحُ الرحمٰن بتَرجَمةِ القرآن" رکھا گیا ہے۔ اس کے **مترجم ومؤلف کا نام**، احمد بن عبدالرحیم ہے۔ لقب، ولیُّ اللّٰہ ہے۔ وطن، دہلی۔ نسب عُمری (فاروقی) ہے۔ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلیہِ واِلیٰ مشایخہٖ ووالِدَیہِ۔

❁ ناظرہ قرآن اور ابتدائی کتب فارسی کی تعلیم کے بعد فتحُ الرحمٰن پڑھنا چاہیے تاکہ فارسی زبان بلاتکلف سمجھی جاسکے۔

اہلِ حرفہ اور سپاہیوں کے بچے جنھیں علومِ عربیہ اچھی طرح سیکھنے کے مواقع نہیں ملتے، ان کے شعور کا آغاز ہوتے ہی اس کی تعلیم دے دینی چاہیے تاکہ ان کے باطن میں داخل ہونے والی پہلی چیز معنیٰ ومفہومِ قرآن حکیم ہو اور ان کی فطرت اپنے اصل حال پر باقی اور محفوظ وسالم رہے۔

مُلحدوں کی وہ باتیں جو مُتصوّفہ کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کو گمراہ کر رہی ہیں، وہ ان بچوں کو فریب نہ دے سکیں۔ خام کار معقولیوں کے بے سروپا مباحث وافکار اور نظم وارتباط سے عاری ہنود کے اَباطیل وخرافات سے ان کی لوحِ قلب وسینہ ملوّث ومکدّر نہ ہونے پائے۔

نیز وہ لوگ جنھیں ایک عمر گذرنے کے بعد توبہ کی توفیق ملتی ہے اور علومِ آلیہ کی تحصیل سے محروم رہ جاتے ہیں، انھیں بھی یہ کتاب پڑھنی پڑھانی چاہیے تاکہ وہ بھی تلاوتِ قرآنِ حکیم کی حلاوت پاسکیں۔

❁ اس کتاب کی نفع رسانی جمہور مسلمانوں کے حق میں متوقع ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ العَظِیم۔

بچوں اور مبتدیوں کے حق میں اس کی اِفادیت واضح ہے جیسا کہ بتایا جاچکا ہے۔ خلقِ خدا جو اکثر اوقات تلاشِ

معاش میں بسر کرتی ہے اسے چاہیے کہ جب فرصت پائے تو اپنا حلقہ بنا کر بیٹھ جائے اور جس شخص کو فارسی زبان پر قدرت ہو اور وہ کچھ فن تفسیر سے بھی واقف و بہرہ ور ہو یا کسی عالم سے اس ترجمہ کو پڑھ چکا ہو وہ وقت کی گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ مع کمال ترتیل و تحسین وقوف پڑھ کر یہ ترجمہ پڑھے جسے سارے حاضرین سنیں اور ان کے معانی اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھیں۔ اس طرح ان کا یہ حلقہ صحابۂ کرام کے اس حلقہ کے مطابق و مشابہ ہو جائے گا جس میں کوئی قاری قرآن صحابی تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ صحابۂ کرام بطور خود عربی زبان سمجھتے تھے اور یہ جماعت فارسی زبان کے توسط سے عربی زبان اور اس کے مفہوم کو سمجھے گی۔

ذوقی حضرات جس طرح مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستان شیخ سعدی شیرازی، و منطق الطیر شیخ فریدالدین عطار، قصص [illegible] مولانا عبدالرحمن جامی وغیرہ کی محفل سجاتے ہیں، اسی طرح اس ترجمہ قرآن کی بھی [illegible] محفل سجائیں اور اس سے استفادہ کریں تو کتنی اچھی بات ہوگی۔ اور اوقات کا کچھ حصہ اس نیک کام کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو کیا کہنا ہے۔

اگر وہ شغل بکلام اولیاء اللہ کے ساتھ ہے تو یہ شغل بکلام اللہ کے لئے ہے۔ اگر وہ مواعظ حکماء روزگار ہیں تو یہ مواعظ حکیم مطلق جل مجدہ ہیں۔ اگر وہ ملفوظات اہل عزت ہیں تو یہ ارشادات رب العزت ہیں۔ اور دونوں کے درمیان کتنا واضح فرق ہے (اسے اہل علم بخوبی جانتے ہیں)

● غور کرو، انصاف و دیانت کا فیصلہ ہے کہ **نزول قرآن کا اصل فائدہ** قرآن کو اس کی عبرت و نصیحت کے ساتھ پڑھنا ہے جس کا آخری نتیجہ ہدایت انسانی ہے۔ صرف تلفظ مقصود نہیں، اگرچہ یہ بھی فضیلت اور ایک عبادت ہے۔ جو مسلمان قرآن حکیم کا مطلب سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا رہا ہے کیا اور کتنا فائدہ ہوگا، کلام اللہ کے معنی و مفہوم سے ناواقف رہ کر ان مسلمانوں کو اس کی تلاوت کیا اور کتنی ملے گی؟

جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں اور باقاعدہ علم تفسیر حاصل کر چکے ہیں انہیں یہ ترجمہ پڑھنے کی حاجت نہیں لیکن بلکہ سب [illegible] سے امید ہے کہ ایسے لوگ بھی اگر اس کتاب (ترجمہ) میں غور و خوض کریں تو قرآن حکیم کا حق شناس ترجمان کے لئے روشن تر ہو جائے گا۔ نحو و صرف [illegible] و معانی وغیرہ کی [illegible] چیزوں سے وہ واقف ہو جائیں گے اور ایسے بہت سے [illegible] جو ان کے مطالعے سے پہلے ان کے سمجھنے میں نہیں آئے ہوں گے انہیں معلوم اور حاصل ہو جائیں گے۔

● یہ ترجمہ قرآن ان جمہور خلق اللہ پر شفقت و رحمت کی نیت سے تالیف ہوا ہے، جو وجوہ اعراب کے استنباط، توجیہات کلام کے استنباط اور قصص و حکایات کے استیعاب کے متحمل نہیں۔ علوم آلیہ کی تحصیل کے لئے انہیں زحمت دی جائے تو معلوم نہیں کہ یہ صورت ان کے لئے مناسب و مفید ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہو جائے تو ممکن ہے کہ کسی کے اندر ان علوم میں تحقیق و تجسس کا داعیہ پیدا ہو جائے اور وہ اس داعیہ کی تسکین و تکمیل میں عمر صرف کر دیں۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ علوم آلیہ کے اکثر شائقین و طالبین ایسا ہی کرتے ہیں۔

ویسے بہتر یہی ہے کہ علم تفسیر کے مبادی ابتدائے عمر ہی میں حاصل کر لیں تاکہ علوم آلیہ میں اگر [illegible] ہو جائے تو یہ صورت تحصیل و تکمیل مقصود میں ممد و معاون ثابت ہوگی اور اگر زیادہ [illegible]

مقصود کا کچھ حصہ ہاتھ آجائے گا (جو اُن کے لئے بہر حال مفید ہوگا) اور یہ محض خسارے کا سودا نہ ہوگا۔

صنما! رہِ قلندر سزد ار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم، رہ و رسم پارسائی

اس کتاب (ترجمۂ قرآن) کا **طریق تحریر** یہ ہے کہ

① ہر آیت کریمہ کو الگ الگ لکھ کر اس سے متصل اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ اور ترجمہ کے لئے متعارف زبان اور متداول روزمرّہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

② تحت اللفظ ترجمہ سے اگر ایک دو کلمہ زائد ہے تو اسے لفظِ یعنی یا اس جیسے الفاظ سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور اگر کچھ مستقل کلام ہے تو ابتدا میں ''مترجم گوید'' اور اختتام پر ''واللہُ تعالیٰ اَعلم'' لکھ دیا گیا ہے۔

③ قصصِ قرآن میں جہاں تک ہو سکا ہے ایک دو جملوں پر اِکتفا کا اِلتزام، اور اسبابِ نزول سے متعلق طویل قصص و واقعات لکھنے سے اِجتناب کیا گیا ہے۔

④ سیاقِ آیات و نظمِ کلمات کی رعایت حتی المقدور ضروری سمجھی گئی ہے۔ محدثینِ کرام کی وہ صحیح تفاسیر جو بخاری و ترمذی و حاکم میں منقول ہیں، ان سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے۔ ضعیف و موضوع روایات سے حتی الامکان پرہیز کیا گیا ہے۔

⑤ اور جو اسرائیلی واقعات کہ اہلِ کتاب سے منقول ہیں اور حدیثِ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلِہٖ الصّلوٰت والتّسلیمات سے ثابت نہیں، انھیں اس کتاب میں قطعاً درج نہیں کیا گیا ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں ان کے ذکر کے بغیر آیات کا معنی و مفہوم صحیح طور پر واضح نہ ہو سکے۔ والضّروراتُ تُبیحُ المَحظُورات۔

یہ **ترجمۂ قرآن**، دیگر تراجم سے چند حیثیتوں سے **ممتاز** ہے:

● اول:- نظمِ قرآن کا متعارف فارسی زبان میں اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ مراد واضح ہو جائے اور تعبیر بھی لطیف ہو۔ دیگر تراجمِ قرآن میں جو اِطنابِ عبارت و رَکاکتِ تعبیرات اور غیر واضح مراد ہے، اس سے اس کے اندر بقدر امکان اِحتراز کیا گیا ہے۔

● دوم:- سبھی تراجمِ قرآن ان دو حالتوں سے خالی نہیں: قصص و واقعات متعلقہ قرآنِ حکیم کو مکمل ترک کر دیا گیا ہے۔ یا ان سب کا اِستیعاب کیا گیا ہے۔

جب کہ اس ترجمۂ قرآن میں درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔ جہاں معنیِ آیات کا سمجھنا ذکرِ واقعہ پر موقوف ہے، وہاں بقدرِ ضرورت دو تین جملوں میں انھیں مختصراً لکھ دیا گیا ہے۔ اور جہاں معنیِ آیت کا سمجھنا ذکرِ قصہ پر موقوف نہیں، وہاں اسے ترک کر دیا گیا ہے۔

● سوم:- متعدد توجیہات میں سے جو توجیہ عربی زبان و مزاج کے اعتبار سے قوی، علمِ حدیث و فقہ کے اعتبار سے زیادہ صحیح، اور ظاہرِ آیت کے معنی و مراد سے قریب تر ہے، اسے اختیار کیا گیا ہے۔ تفسیر وجیز و تفسیر جلالین جو اس ترجمہ کے لئے بمنزلۂ اصل ہیں، ان کا اور دیگر سبھی تفاسیر کا جو شخص مطالعہ کرے گا، اسے اس بات میں کوئی شک نہیں ہوگا۔

● چہارم:- یہ ایسا ترجمۂ قرآن ہے کہ اسے پڑھنے والا شخص اگر نحو سے واقف ہے تو اِعرابِ قرآن، تعیینِ

محذوف اور مرجع ضمیر سے واقف ہو جائے گا اور جہاں الفاظ کی تقدیم وتاخیر ہے، اسے بھی جان لے گا۔ اور اگر وہ اس سے ناواقف ہے، تب بھی اصل غرض یعنی مفہوم سمجھنے سے محروم نہیں رہے گا۔

● پنجم:- قدیم تراجم دو حال سے خالی نہیں۔ ان کے اندر ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ یا ترجمہ حاصل المعنی ہے۔ اور دونوں طرح کے ان ترجموں میں کئی نقائص ہیں۔ یہ ترجمہ (فتح الرحمن) دونوں طرق واسالیب کا جامع ہے۔ ہر نقص وخلل کا کوئی علاج تجویز ہوا ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔ اور ہم نے اپنے رسالہ "قواعد تراجم" میں انھیں بیان کر دیا ہے۔

(اس کے بعد تقریباً دو صفحات کے اندر مؤلف نے یہ بتایا ہے کہ عربی زبان کے بعض مفاہیم وتعبیرات کو فارسی زبان میں کس طرح ادا کریں گے۔ یہاں اس کی کوئی خاص افادیت نہ محسوس کرتے ہوئے ترجمہ نہیں کیا جارہا ہے۔ جو اصول وضوابطِ ترجمہ اس سے پہلے ذکر کیے جاچکے ہیں، اہل اردو کے لئے وہی کافی ہیں۔ فقط۔ یٰس اختر مصباحی)

بالجملہ فنِ ترجمہ کی باریکیاں بہت ساری ہیں۔ یہاں محض چند نمونوں کا بیان مقصود تھا۔

❁ اس فقیر (ولی اللہ دہلوی) نے کسی عالم ومفسر کی معاونت اور کسی کتاب کی مراجعت کے بغیر خود غور وخوض کر کے ترجمۂ قرآن کیا ہے اور متعدد علوم وفنون میں اشتغال کے ساتھ ساتھ اسے بھی تحریر کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا امکان ہے کہ بعض مواقع پر ان اصول وضوابطِ ترجمہ کا التزام نہ ہو سکا ہو، اس لئے وہ اہل علم یارانِ سعادت مندجن کے پیش نظر یہ قواعد ہوں، ان سے **التماس** ہے کہ دینی اخوت کے تحت خیر خواہی کو ملحوظ رکھیں اور جہاں کسی ضابطہ کا التزام نہ ہو سکا ہو، اس کی اصلاح فرمائیں۔

ہدایت

اس ترجمۂ قرآن کی نقل وکتابت کرنے والے حضرات کو فقیر (ولی اللہ دہلوی) کی ہدایت ووصیت ہے کہ

● متنِ قرآنِ حکیم کو بخطِ جلی لکھیں۔

● اعراب وآیت وسورہ کو اس طرح ممتاز کر دیں کہ ترجمہ کے ساتھ کسی چیز کا التباس واختلاط نہ ہو۔

● اس کی بھی پوری احتیاط رکھیں کہ الفاظ ترجمہ میں کسی قسم کی تحریف نہ ہونے پائے۔

● مواضعِ اشتباہ میں کلام تام کے بعد سرخ نقطہ لگا کر اسے مابعد سے جدا کر دیں۔

● جہاں ترکیب اضافی وترکیب توصیفی ہو، وہاں مضاف اور موصوف پر اعراب لگا دیں تاکہ مبتدیوں کے لئے اس کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

● اہل علم کو ترجمہ کے اندر کوئی ایسا نادر ومشکل لفظ نظر آئے جسے سمجھنا مبتدیوں کے لیے دشوار یا کوئی بات بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہو تو حاشیۂ کتاب پر اس کے معنی لکھ دیں تاکہ کسی کو بھی فہم معنی میں صعوبت نہ برداشت کرنی پڑے۔

اِن اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصلاحَ ما استطعتُ۔ وما توفیقی اِلَّا باللہ۔ علیہ توکلتُ والیہ اُنیب۔

